علماءِ مکہ مکرمہ کے کاغذی نوٹ سے متعلق سوالات اور سیدی اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ کے تحقیقی جوابات پر مشتمل رسالہ

كِفْلُ الْفَقِيْهِ الْفَاهِمِ فِي أَحْكَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاهِمِ

بنام

کرنسی نوٹ کے مسائل

- علماءِ مکہ مکرمہ کے کاغذی نوٹ سے متعلق بارہ سوالات۔
- اور سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے تحقیقی جوابات۔
- نوٹ کی حقیقت کا بیان۔
- مال کی تعریف۔
- بعض آدابِ مفتی
- بھیک مانگنا ذلت وحرام ہے۔
- نوٹ قرض دینا جائز ہے۔
- بیع سلم اور بیع صرف کی تعریف۔
- سود سے بچنے کی تدابیر۔
- کیا مکروہ تنزیہی بھی گناہ ہے؟

SC1286

علماء مکہ مکرمہ کے کاغذی نوٹ سے متعلق سوالات اور سیدی اعلیٰحضرت علیہ رحمۃ الرحمٰن

کے تحقیقی جوابات پر مشتمل رسالہ

”كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم“

کی تسہیل بنام

کرنسی نوٹ کے شرعی احکامات

تصنیف: اعلیٰ حضرت ، امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن

تسہیل: مولانا محمد شاہد قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

پیشکش

مجلس: المدينة العلمية (دعوت اسلامی)

شعبۂ کتبِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ناشر

مکتبۃ المدینہ، باب المدینہ کراچی

الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ وعلیٰ آلک وأصحابک یا حبیب اللہ

نام کتاب : کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم

مصنف : اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن

تخریج وتسہیل بنام : کرنسی نوٹ کے شرعی احکامات

مسہل ومترجم : مولانا محمد شاہد قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سنِ طباعت سوم : ۱۴۲۸ھ بمطابق ۲۰۰۷ء

ناشر : مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی

ملنے کے پتے

مکتبۃ المدینہ شہید مسجد کھارادر کراچی

مکتبۃ المدینہ دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ، لاہور

مکتبۃ المدینہ اصغر مال روڈ نزد عیدگاہ، راولپنڈی

مکتبۃ المدینہ امین پور بازار، سردار آباد (فیصل آباد)

مکتبۃ المدینہ نزد پیپل والی مسجد اندرون بوہڑ گیٹ، ملتان

مکتبۃ المدینہ چھوٹکی گھٹی، حیدرآباد

مکتبۃ المدینہ کوئٹہ نزد ریلوے اسٹیشن، ڈی ایس آفس

مکتبۃ المدینہ پشاور فیضان مدینہ گلبرگ نمبر۱۱، النور اسٹریٹ صدر

مکتبۃ المدینہ آزاد کشمیر چوک شہداں میرپور

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ

اَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

کُتُبِ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اور المدینۃ العلمیۃ

از: بانیِ دعوتِ اسلامی، عاشقِ اعلیٰ حضرت، شیخِ طریقت، امیرِ اہلسنّت

حضرت علّامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطّار قادری رضوی ضیائی دامت برکاتہم العالیہ

الحمد للّٰہ علی اِحۡسَانِہٖ وَبِفَضۡلِ رَسُوۡلِہٖ صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم

تبلیغِ قرآن وسنّت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک **''دعوتِ اسلامی''** نیکی کی دعوت، اِحیائے سنّت اور اشاعتِ علمِ شریعت کو دنیا بھر میں عام کرنے کا عزمِ مُصمّم رکھتی ہے، اِن تمام اُمور کو بحسنِ خوبی سرانجام دینے کے لئے متعدّد مجالس کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جن میں سے ایک مجلس "المدینۃ العلمیۃ" بھی ہے جو دعوتِ اسلامی کے عُلماء و مُفتیانِ کرام کَثَّرَھُمُ اللّٰہُ تعالیٰ پر مشتمل ہے، جس نے خالص علمی، تحقیقی اور اشاعتی کام کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل چھ شعبے ہیں:

(۱) شعبۂ کُتُبِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۲) شعبۂ درسی کُتُب

(۳) شعبۂ اصلاحی کُتُب (۴) شعبۂ تراجمِ کتب

(۵) شعبۂ تخریج (۶) شعبۂ تفتیشِ کُتُب

"المدینۃ العلمیۃ" کی اوّلین ترجیح سرکارِ اعلیٰ حضرت، اِمامِ اَہلسنّت، عظیم

البرَکت، عظیمُ المرتبت، پروانۂ شمعِ رِسالت، مُجَدِّدِ دِین ومِلَّت، حامیٔ سنّت، ماحیٔ بِدعت، عالِمِ شَرِیْعَت، پیرِ طریقت، باعثِ خَیر وبَرَکت، حضرتِ علاّمہ مولانا الحاج الحافِظ القاری الشّاہ امام اَحمد رَضا خان عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ الرَّحۡمٰن کی گِراں مایہ تصانیف کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق حتَّی الْوسع سَہۡل اُسلُوب میں پیش کرنا ہے۔ تمام اسلامی بھائی اوراسلامی بہنیں اِس عِلمی، تحقیقی اوراشاعتی مدنی کام میں ہرممکن تعاون فرمائیں اورمجلس کی طرف سے شائع ہونے والی کُتُب کا خودبھی مطالَعہ فرمائیں اوردوسروں کوبھی اِس کی ترغیب دلائیں۔

اللّٰہ عزّ وجلّ ''دعوتِ اسلامی'' کی تمام مجالس بَشُمُول ''المدینۃ العلمیۃ'' کو دِن گیارہویں اور رات بارہویں ترقّی عطا فرمائے اور ہمارے ہر عملِ خیر کو زیورِ اخلاص سے آراستہ فرما کر دونوں جہاں کی بھلائی کا سبب بنائے۔ ہمیں زیرِ گنبدِ خضرا شہادت، جنت البقیع میں مدفن اور جنت الفردوس میں اپنے مدنی حبیب صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم کا پڑوس نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلّم

رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

پیشِ لفظ

الحمد للّٰہ عزّوجلّ !ہماری یہی کوشش رہی ہے کہ اپنے بزرگوں کی کتابیں آسان سے آسان انداز میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے رہیں چنانچہ اس سلسلے میں سیدی اعلی حضرت، امامِ اہلِ سنت، رہبرِ شریعت، امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے کئی عربی، اردو اور فارسی رسائل طبع ہوکر عوام وخواص سے خراجِ تحسین پا چکے ہیں اسی سلسلے کی ایک اور کڑی سیدی اعلی حضرت علیہ الرحمۃ کا عرب وعجم میں نہایت ہی مشہور ومعروف رسالہ "**كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم**" بنام"**کرنسی نوٹ کے شرعی احکامات**"، پیشِ خدمت ہے، جس میں آپ علیہ رحمۃ الرحمٰن سے ایسے بارہ سوالات کیے گئے ہیں جن کا تعلق کرنسی نوٹ کے مسائل سے تھا چنانچہ آپ علیہ رحمۃ الرحمٰن نے ان سوالات کے جوابات قرآن وحدیث اور کثیر کُتُبِ فقہیہ کی روشنی میں محققانہ انداز میں عطا فرما کر حقِ تحقیق ادا کردیا جبکہ اسی کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت جاننے میں اہلِ علم حضرات عرصۂ دراز سے متذَبذِب ومتَرَدِّد تھے سیدی اعلی حضرت علیہ رحمۃ الرحمٰن کے ان تحقیقی جوابات کی روشنی میں وہ اشکالات بھی رفع ہوگئے۔

بہرحال چند ہم عصر علماء نے بھی کرنسی نوٹ سے متعلق سوالات کے جوابات دیے لیکن ان کی تحقیق قوانینِ شرعیہ کے پیش نظر ناقص وکمزور تھی۔

چنانچہ سیدی اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے اس "رسالے" میں ان کے بیان کردہ ضعیف دلائل کا تعاقب فرما کر حکم شرعی خوب اچھے انداز میں واضح فرمادیا۔

مزید یہ کہ اس ''رسالے'' میں سود کی حد بندی کر کے جائز طریقوں پر نفع حاصل کرنے کی مختلف صورتیں بھی تحریر فرمائی ہیں، الغرض! سیدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمٰن کا یہ ''رسالہ'' دلائل و براہین سے مزیّن و آراستہ ہے۔ اور اس ''رسالے'' کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ یہ ''رسالہ'' کراچی ''یونیورسٹی'' کے ایم،اے، کے نصاب میں بھی شامل ہے۔ بہر حال عام قارئین کی آسانی کے لیے ''مقدمہ'' میں اس ''رسالے'' کا خلاصہ بھی پیش کر دیا گیا ہے۔

اس ''رسالہ'' کو جدید طرز اور اچھے انداز میں پیش کرنے کے لیے تبلیغِ قرآن وسنت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک دعوتِ اسلامی کی مجلس ''المدینة العلمیة '' کے مَدَنی علماء نے خوب کوششیں کی ہیں جس کا اندازہ ذیل میں دی گئی کام کی تفصیل سے لگایا جاسکتا ہے:

۱۔آیات واحادیث اور دیگر عبارات کے حوالہ جات کی مقدور بھر تخریج کی گئی ہے۔

۲۔مشکل الفاظ اور فقہی اصطلاحات کے پیشِ نظر ترجمے کو آسان اردو زبان میں کرنے کی کوشش کی گئی ہے تا کہ عام قاری کو بھی یہ ''رسالہ'' پڑھنے میں دشواری نہ ہو۔

۳۔جگہ جگہ عربی الفاظ اور مشکل فقہی اصطلاحات کا انگلش میں ترجمہ کر دیا گیا ہے اور ''رسالہ'' کی ابتداء ہی میں ان تمام اصلاحات کو چند فائدوں کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے جنہیں یاد رکھ کر یہ ''رسالہ'' بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

۴۔نئی گفتگو نئی سطر میں درج کی گئی ہے تا کہ پڑھنے والوں کو با آسانی مسائل سمجھ آسکیں۔

۵۔آیاتِ قرآنیہ کو منقش بریکٹ { }، متنِ احادیث کو ڈبل بریکٹ (( ))، کتابوں کے نام اور دیگر اہم عبارات کو Inverted commas '' '' سے

واضح کیا گیا ہے۔

۶۔آخر میں ماخذ ومراجع کی فہرست، مصنفین ومؤلفین کے ناموں، ان کی سنِ وفات اور مطابع کے ساتھ ذکر کردی گئی ہے۔

اسی طرح اس ''رسالہ'' کوآپ تک پہنچانے سے پہلے کئی مرتبہ پروف ریڈ کیا گیا ہے اور ساتھ ہی احتیاط کے ساتھ فقہی مسائل بھی دیکھ لیے گئے ہیں تا کہ یہ ''رسالہ'' حتی المقدور فقہی مسائل میں غلطیوں، فنی قصور اور دیگر نقائص سے محفوظ رہے چنانچہ اس ''رسالہ'' میں آپ حضرات کو جوخوبیاں دکھائی دیں وہ اللہ عزوجل کی عطا، اس کے پیارے حبیب نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی نظر کرم، علماء کرام رحمہم اللہ اور شیخ طریقت امیر اہلسنت حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری دام ظلہ العالی کے فیض سے ہیں اور جوخامیاں نظر آئیں ان میں یقیناً ہماری کوتاہی ہے۔

اس رسالہ کی اشاعتِ اول کی تسہیل مولانا محمد شاہد العطاری المدنی بن حبیب عالم رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے کی تھی۔ موصوف سانحۂ نشتر پارک (۱۴۲۷ھ) میں شہید ہو گئے تھے۔ اللہ تعالی ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ان پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمائے۔

آمین بجاه النبی الأمین صلی الله تعالیٰ علیه و سلم

موصوف نے درسِ نظامی (عالم کورس) کی تعلیم دعوتِ اسلامی کے ادارے ''جامعۃ المدینہ'' میں مکمل کی، اور ۲۰۰۱ء میں سندِ فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد دعوتِ اسلامی کے علمی و تحقیقی ادارے ''**المدينة العلمية**'' میں اپنی خدمات انجام دیتے رہے اور کئی کتابوں کے تراجم کے بنیادی مراحل طے کئے جن میں ''**المتجر الرابح فی ثواب العمل الصالح**'' بنام ''**جنت میں لے جانے والے اعمال**''، ''**بحر الدموع**''

بنام ''اشکوں کا دریا''اور'' **الزواجر عن اقتراف الکبائر**'' بنام ''**جہنم میں لے جانے والے اعمال**'' کا کچھ ترجمہ شامل ہے۔

قارئین خصوصاً علماء کرام دامت فیوضھم سے گزارش ہے کہ اس ''رسالہ'' کے معیار کو مزید بہتر بنانے کے بارے میں ہمیں اپنی قیمتی آراء اور تجاویز سے تحریری طور پر مطلع فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ''رسالہ'' کو عوام وخواص کے لیے نفع بخش بنائے!

آمین بجاه النبي الأمين صلّى الله تعالى عليه وآله وأصحابه وبارك وسلم !

شعبۂ کتب اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمٰن (المدینۃ العلمیۃ)

فہرست

اس کتاب میں موجود ضروری اصطلاحات کی تعریفات

(DEFINATIONS OF ESSENTIAL TERMINOLOGIES)

(۱) **بَیع :** دو شخصوں کا باہم رضا مندی سے ایک مخصوص صورت کے ساتھ مال کا مال سے تبادلہ کرنا۔ (SALE)

(۲) **مَبِیع :** وہ چیز جس کو بیچا جا ہے۔

(SOLD THING)

(۳) **بائع:** کسی بھی چیز کے بیچنے والے کو "بائع" کہتے ہیں۔

(SELLER)

(۴) **مُشْتَرِی:** کسی چیز کے خریدنے والے کو "مشتری" کہتے ہیں۔

(PURCHASER)

(۵) **دَین:** ایسی چیز جو کسی کے ذمہ کسی عقد یا فعل کے سبب لازم ہو جائے "دین" ہے

(FINANCIAL CLAIM)

مثلاً: اُدھار خرید و فروخت کی وجہ سے جو چیز ذمہ پر لازم ہو، اُسے "دَین" کہتے ہیں۔ ایسے ہی کسی کی چیز کو ہلاک کرنے پر جو ضمان (تاوان) لازم آتا ہے، اسے بھی "دین" کہتے ہیں۔ اور اسی طرح کسی سے کوئی چیز قرض لینے کی صورت میں جو چیز ذمہ پر واپس دینا لازم ٹھہرے، اُسے بھی "دین" کہتے ہیں۔

(۶) **دائن:** دَین دینے والا، قرض دینے والا، قرض خواہ۔

(CREDITOR)

(۷) **مدیون:** جس شخص پر دَین ہو، مقروض، قرضدار۔ (DEBTOR)

(۸) **قرض :** مثلی چیزوں میں سے کوئی چیز کسی کو دینا اس غرض سے کہ بعد میں اسی کے مثل چیز وصول کرے "قرض" کہلاتا ہے۔ (LOAN)

فائدہ: "قرض" اور "دَین" میں عُمُوم خُصُوص مُطلَق کی نسبت ہے یعنی ہر قرض دَین ہے لیکن ہر دَین قرض نہیں۔

(۹) **مال:** ہر وہ چیز جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور اس کا جمع کر کے رکھنا ممکن ہو "مال" کہلاتی ہے۔ (PROPERTY)

(۱۰) **مال متقوم:** اس مال کو کہتے ہیں جس سے نفع اٹھایا جانا ممکن ہو۔

(THINGS WITH COMMERCIAL VALUE)

(۱۱) **ثمن:** وہ مال ہے جو خریدنے اور بیچنے والے کے درمیان مبیع کے بدلے میں طے پائے۔ (PRICE)

(۱۲) **ثمن اصطلاحی:** وہ ثمن ہے جو درحقیقت متاع (سامان) ہے لیکن لوگوں کی اصطلاح نے اسے ثمن بنادیا ہو جیسے کرنسی نوٹ اور تانبے یا پیتل کے سکے۔

(TERMINOLOGICAL CURRENCY)

(۱۳) **ثمن خلقی:** وہ ثمن ہے جو پیدائشی طور پر ثمن ہو اور وہ ہر حال میں ثمن ہی رہتے ہوں یعنی ان کی ثمنیت کو کوئی باطل ہی نہ کر سکے جیسے۔ سونا چاندی۔

(REAL MONEY)

(۱۴) **قیمت:** کسی چیز کا بھاؤ جو بازار میں رائج ہو قیمت کہلاتا ہے۔ (VALUE)

(۱۵)**اشرفی:** سونے کے سکّے کو کہتے ہیں۔ (GOLD COIN)

(۱۶)**دینار:** سونے کے سکّے کو کہتے ہیں۔ (GOLD COIN)

(۱۷)**درہم:** چاندی کے سکّے کو کہتے ہیں۔ (SILVER COIN)

(۱۸)**نوٹ:** کاغذی کرنسی کو نوٹ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(NOTE / PAPER MONEY)

(۱۹)**روپیہ:** روپیہ سے مراد چاندی کا بنا ہوا سکّہ ہے۔

(SILVER COIN)

فائدہ: اس کتاب میں جہاں کہیں لفظ "روپیہ" آیا ہے اس سے مراد "چاندی کا روپیہ" ہے کیونکہ جس زمانے میں یہ کتاب تصنیف کی گئی تھی اُس وقت "روپیہ" بول کر "چاندی کا روپیہ" مراد لیا جاتا تھا بہرحال کتاب میں جہاں کہیں لفظ "روپیہ" آیا ہے وہاں "چاندی کا روپیہ" لکھنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ کتاب آسان سے آسان ہو جائے

(۲۰)**فلوس:** فلس کی جمع ہے کسی بھی قسم کے سکے کو کہتے ہیں۔ (COIN)

(۲۱) **پیسہ:** تانبے یا پیتل وغیرہ سے بنائے ہوئے سکّے کو کہتے ہیں۔ (COIN)

(۲۲) **نقدین:** سونا اور چاندی کو کہتے ہیں۔ (GOLD & SILVER)

(۲۳) **بیع مطلق:** اس بیع کو کہتے ہیں جس میں روپے کے بدلے کوئی سامان وغیرہ خریدا یا بیچا جاتا ہے۔

(UNCONDITIONAL SALE/ABSOLUTE SALE)

(۲۴) **بیع صَرْف:** ایسی بیع کو کہتے ہیں جس میں ثمن خلقی کے بدلے ثمن خلقی کو خریدا یا بیچا جاتا ہے جیسے نقدین (سونے اور چاندی) کے بدلے نقدین کی بیع۔

(MONEY EXCHANGE)

(۲۵) **بیع مقایضہ:** اس بیع کو کہتے ہیں جس میں روپے اشرفی نہیں بلکے ایک سامان کے عوض دوسرا سامان خریدا بیچا جاتا ہے۔ (BARTER SALE)

(۲۶) **بیع سلم** : اس بیع کو کہتے ہیں جس میں ثمن پہلے دیا جاتا ہے اور مبیع کچھ مدت بعد دی جاتی ہے۔ (V.A LIVRER)

فائدہ: بیع سلم کو لفظ "بدلی" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۲۷) **بیع عینہ:** کوئی شخص ایک چیز ادھار بیچے اور خریدنے والے کے قبضہ میں دے اور پھر ثمن وصول کرنے سے پہلے بیچنے والا خود اس چیز کو پچھلے ثمن سے کم پر نقد خرید لے۔

(SALE ON CREDIT)

(۲۸) **قبضۂ طرفین:** بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کا ثمن اور مبیع پر قبضہ کر لینا قبضۂ طرفین کہلاتا ہے اور قبضۂ طرفین صِرف "بیعِ صَرف" میں شرط ہے۔

(CUSTODY FROM BOTH SIDES)

(۲۹) **یَدًا بِیَدٍ** (دست بدست) سے فقہاء کرام کی مراد یہ ہے کہ مبیع اور ثمن دونوں چیزیں معیّن ہو جائیں یعنی بائع اور مشتری پر کسی طرح کا دَین (قرض) نہ رہے۔

مقدمہ

نوٹ کی فقہی حیثیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نوٹ جو کہ درحقیقت کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے کافی عرصہ سے بطور مال استعمال کیا جارہا ہے لوگ اس کے ذریعے سے اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، خرید وفروخت کرتے ہیں، اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ الغرض مال ہونے کی حیثیت سے اسے ہر جگہ استعمال کیا جاتا ہے لیکن اس کی فقہی حیثیت کے بارے میں علماء کرام رحمہم اللہ کے درمیان کافی اختلاف رہا کوئی اسے سونے کی رسید(Receipt) کہتا اور کوئی ثمنِ اصطلاحی (ثمن اصلاحی(Terminological currency) وہ ثمن ہے جو درحقیقت متاع (سامان) ہوتا ہے لیکن لوگوں کی اصطلاح(Terminology) نے اسے ثمن بنادیا ہو جیسے کرنسی نوٹ اور تانبے یا پیتل کے سکے)۔ علماء کے درمیان اس اختلاف (Confilict) کی اصل وجہ بذات خود نوٹ تھا کیونکہ نوٹ ابتداءً سونے کی رسید تھے اور انہیں بینک کے سپرد کرکے سونا بھی وصول کیا جاسکتا تھا۔

جبکہ بدلتے ہوئے اقتصادی ومعاشی حالات کے پیش نظر حکومتوں نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ اپنی ضرورتیں اور حاجتیں پوری کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ نوٹ جاری کیے جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور آہستہ آہستہ ان نوٹوں کی تعداد

بڑھتی گئی، یہاں تک کہ ان نوٹوں کے مقابلے میں سونے کی مقدار حکومت کے پاس انتہائی کم ہوگئی۔

اور اب حکومتوں کو یہ فکر لاحق ہوگئی کہ اگر لوگوں نے ان نوٹوں کے بدلے سونے کا مطالبہ کیا تو ان کے مطالبے کیسے پورے کیے جائیں گے؟ کیونکہ نوٹ زیادہ تعداد میں ہیں اور ان کے مقابلے میں سونا کم مقدار میں۔

چنانچہ حکومتوں نے اس خطرہ کے پیش نظر نوٹ اپنے قبضہ وتصرف میں لے کر ایک مخصوص اور معیاری صورت دیدی اور باقی تمام بینکوں پر اس قسم کے نوٹوں کے چھاپنے پر پابندی عائد کردی۔

اسی طرح حکومتوں کی جانب سے نوٹ کی سونے سے تبدیلی کو روکنے کے لئے مختلف قسم کے اقدامات کیے گئے آخر کار نوٹ کی سونے سے تبدیلی کو مکمل طور پر روک دیا گیا۔ چنانچہ اب نوٹ کے بدلے میں نوٹ ہی مل سکتا ہے نہ کہ سونا، چاندی۔ اور اب حکومتوں کے نزدیک نوٹ سونے یا چاندی کی رسید نہیں بلکہ الگ سے ایک مال یعنی ثمن اصطلاحی (Terminological currency) ہے۔

چنانچہ اس وضاحت کے باوجود بعض علماء کے نزدیک نوٹ قرض کی رسید تھی جن علماء نے اسے قرض کی رسید قرار دیا تھا ان کے نزدیک اس نوٹ کو جاری کرنے والے بینک کی حیثیت مقروض (Debtor) کی سی تھی، اور جس کے پاس نوٹ تھے وہ دائن (Creditor) کی حیثیت رکھتا تھا۔

بعض علماء کے نزدیک نوٹ ثمن اصطلاحی ہی تھا اور یہی نوٹ کی حقیقت ہے چنانچہ نوٹ کی فقہی حیثیت کے متعین نہ ہونے کی وجہ سے علماء کے درمیان نوٹ کے

ذریعے خرید وفروخت، زکوۃ کی ادائیگی، اور دیگر معاملات میں اختلافات رونما ہوئے۔

نوٹ اور خرید و فروخت اور زکوٰۃ کے أحکام

چنانچہ جن علماء نے نوٹ کو رسید سمجھا ان کے نزدیک نوٹ کے بدلے اشیاء کی خرید وفروخت میں نوٹ کا ادا کیا جانا "حوالہ" کی حیثیت رکھتا تھا۔ یعنی نوٹ کی ادائیگی کرنے والا قیمت کا "حوالہ" بینک یا حکومت کے کسی ایسے ادارے پر کر دیتا تھا جہاں سے نوٹ شائع ہوتے تھے۔ چنانچہ ان حضرات کے نزدیک نوٹ پر "حوالہ" کے احکامات عائد ہوتے تھے۔ اسی لئے ان کے نزدیک نوٹ کے ذریعے سے کیے جانے والے تمام سودے ادھار ہوا کرتے تھے، اور ان علماء کے نزدیک نوٹ کے ذریعے سے سونے چاندی کی خرید وفروخت ناجائز تھی؛ کیونکہ نوٹ کے ذریعے سے سونا چاندی کی خرید وفروخت کرنا درحقیقت اس سونے چاندی کی خرید وفروخت تھی جس کی یہ نوٹ رسید تھے۔

چنانچہ یہ "بیعِ صَرف" (یعنی ایسی بیع جس میں ثمن خلقی کے بدلے ثمن خلقی کو خریدا یا بیچا جاتا ہے جیسے نقدین (یعنی سونے اور چاندی) کے بدلے سونے اور چاندی کی بیع) تھی، اور "بیع صَرف" میں یہ ضروری ہے کہ "بدلین" یعنی خریدی اور بیچی جانے والی دونوں چیزوں پر اسی مجلس میں خریدنے اور بیچنے والے کا قبضہ ہو جائے اور نوٹ کے ذریعے سے سونا چاندی کی بیع (Sale) میں یہ شرط مفقود (Lost) تھی۔

اسی طرح ان حضرات کے نزدیک نوٹ کی موجودگی میں زکوٰۃ کی ادائیگی بھی واجب نہ تھی، اگرچہ لاکھوں روپوں کے نوٹ موجود ہوں۔ اور اسی طرح اگر کوئی نوٹ کے ذریعے سے زکوٰۃ کی ادائیگی کرتا تھا تو اس کی زکوۃ اس وقت تک ادا نہیں ہوتی تھی

جب تک کہ فقیران نوٹوں کے بدلے میں کوئی چیز خرید نہ لیتا اور اگر فقیر کے استعمال سے پہلے یہ نوٹ گم ہوجاتے یا ضائع ہوجاتے تو بھی اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

اور جن علماء کی رائے میں نوٹ ثمنِ اصطلاحی ہے اُن کے نزدیک نوٹ کے ذریعے سے ثمن خلقی یعنی سونا چاندی کی بیع بلاشبہ جائز ہے۔ اس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے اور نوٹ کی ادائیگی سے زکوٰۃ بھی ادا ہوجاتی ہے۔

اسی طرح اور بہت سارے ایسے فقہی مسائل تھے جو صرف نوٹ کی فقہی حیثیت کے متعین نہ ہونے کی وجہ سے علماء کے درمیان مختلف رہے۔

چنانچہ نوٹ کی فقہی حیثیت کے متعین نہ ہونے کی وجہ سے عرب وعجم کے علماء حیران و پریشان تھے، جب کبھی مفتیانِ عظام سے نوٹ کی شرعی حیثیت کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو کوئی خاطر خواہ جواب نہیں ملتا تھا یہاں تک کہ مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً کے مفتیٔ احناف، جمال بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا شرعی حکم بیان کرنے سے اپنا عذر یہ کہہ کر پیش کردیا کہ "العلم أمانة في أعناق العلماء" یعنی "علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے"۔

بہرحال ۱۳۲۳ھ میں سیدی اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنت، رہبرِ شریعت، مجددِ دین وملت، الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن دوسری مرتبہ حج بیت اللہ شریف کے لئے مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو وہاں کے علماء کرام رحمہم اللہ نے اس موقع کو غنیمت جان کر آپ علیہ رحمۃ الرحمٰن کی خدمت میں نوٹ سے متعلق بارہ سوالات پیش کردیے۔

چنانچہ سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اپنی عادت کریمہ کے مطابق اس موضوع پر بھی قلم اٹھایا اور ان سوالات کے جوابات کو دلائل و براہین

سے مزین وآراستہ کر کے احقاقِ حق فرما دیا۔

اور جب آپ علیہ رحمۃ الرحمٰن کے تحریر کردہ جوابات عالم اسلام کے مقتدر ومعزز علماء کرام رحمہم اللہ کے سامنے آئے تو سب حضرات نے آپ علیہ رحمۃ الرحمٰن کی اس زبردست تحقیق کو نا صرف قبول کیا بلکہ آپ علیہ رحمۃ الرحمٰن کو زبردست فقیہ اور متبحر عالمِ دین گردانا اور ساتھ ہی آپ علیہ رحمۃ الرحمٰن کی اس تصنیف کو عالم اسلام کے لئے احسان عظیم قرار دیا۔ اور اسی تحقیق کو جسے سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے آج سے تقریباً سو سال پہلے ہی پیش فرما چکے تھے آج کی جدید اکنامکس (Modern Economics) بھی تسلیم کر رہی ہے۔ اسی طرح سیدی اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، رہبرِ شریعت، مجددِ دین وملت، الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے اس فتویٰ سے فی زمانہ نوٹ کی نوٹ کے ذریعے کی جانے والی بیع (Exchange of Money) کا حکم بھی واضح ہو جاتا ہے۔

نوٹ کی نوٹ سے بیع کا شرعی حکم

فی زمانہ کرنسی نوٹ اپنی اصل کے اعتبار سے تو کاغذ کا ایک ٹکڑا ہی ہے، لیکن ہر ملک کی کرنسی مقصود کے مختلف ہونے کی وجہ سے ایک علیحدہ جنس ہے؛ کیونکہ کرنسی سے مقصود کاغذ کا ٹکڑا نہیں بلکہ اس سے قوتِ خرید کا ایک مخصوص معیار مراد ہوتا ہے۔ اور شرعاً یہی بات یعنی مقصود یا اصل کا مختلف ہونا ہی اجناس کے مختلف ہونے کا مدار ہے جیسا کہ آٹا، روٹی اور گندم ہر ایک علیحدہ علیحدہ جنس شمار کیے جاتے ہیں اگرچہ اصل کے اعتبار سے یہ سب ایک ہی چیز یعنی گندم ہیں۔ چنانچہ مختلف ممالک کی کرنسی مختلف ناموں کے ساتھ ساتھ قوتِ خرید کا ایک علیحدہ اور مخصوص معیار رکھتی ہیں

اوریہی وجہ ہے کہ جو چیز پاکستانی ایک روپیہ کے بدلے میں ایک ملتی ہے، وہی چیز ایک امریکن ڈالر کے بدلے میں تقریباً ساٹھ کی تعداد میں مل جاتی ہے، اورایک سعودی ریال کے بدلے میں تقریباً پندرہ یا سولہ تک مل سکتی ہے۔اسی طرح وہ چیز مختلف ممالک کی کرنسی کے اعتبار سے مختلف تعداد میں خریدی جاسکتی ہے اور یہ تعداد قوت خرید کی تبدیلی کے ساتھ تبدیل بھی ہوجاتی ہے۔

چنانچہ قوانینِ شرعیہ کی روشنی میں جب کسی چیز کے مقصود یااصل یابناوٹ میں ایسی تبدیلی آجائے کہ جس کی وجہ سے اس کا نام اورکام بدل جائے تو اسکی جنس کے بدلنے کاحکم لگادیا جاتا ہے،جیساکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"إن الاختلاف باختلاف الأصل أو المقصود أو بتبدل الصفة"۔

("الدرالمختار"مع" رد المحتار"، كتاب البيوع، باب الربا، ج ٧ ،ص ٤٣٧)

ترجمہ:"جنس میں اختلاف اصل یامقصود یاصفت کے بدلنے سے ہوتا ہے"۔

اسی طرح صدرالشریعہ بدرالطریقہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالی اس مسئلہ کوتفصیل سے ارشادفرماتے ہیں:

"مقصد یہ ہے کہ جنس کے اختلاف واتحاد میں اصل کا اتحاد واختلاف معتبرنہیں بلکہ مقصود کا اختلاف جنس کومختلف کردیتا ہے،اگرچہ اصل ایک ہو،اوریہ بات ظاہر ہے کہ روئی اورسوت اورکپڑے کے مقاصد مختلف ہیں، یونہی گیہوں اوراس کے آٹے کوروٹی سے بیع کرسکتے ہیں کہ ان کی بھی جنس مختلف ہے"۔

("بہارشریعت"،ج ٢،حصہ ١١،ص ٩٨)

چنانچہ کسی بھی دواشیاء کی اصلیت اگرچہ ایک ہی کیوں نہ ہواگران کے مقصود یا

صفت میں تبدیلی ہو جائے تو ان کی جنسیں مختلف ہو جائیں گی۔ جیسا کہ صدرالشریعہ بدرالطریقہ مولانا امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالی کی عبارت سے ظاہر ہے کہ روٹی کی بیع گندم کے ساتھ ادھار اور کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، حالانکہ ان کی اصل ایک ہے صرف بناوٹ میں تبدیلی ہونے کی وجہ سے ان کے نام اور کام میں تبدیلی پیدا ہوگئی۔

چنانچہ ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ جنس شمار کیا گیا، اسی مسئلہ کو مزید تفصیل سے بیان کرتے ہوئے امام سراج الدین عمر ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"يصح أيضاً بيع الخبز بالبر وبالدقيق متفاضلاً في أصح الروايتين عن الإمام، قيل: هو ظاهر المذهب لعلمائنا الثلاثة، وعليه الفتوى عدداً ووزناً، كيف ما اصطلحوا عليه؛ لأنه صار بالصنعة جنساً آخر"۔

("النهر الفائق"، كتاب البيوع، باب الربا، ج٣، ص ٤٧٨)

ترجمہ: "امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول دو روایتوں میں سے اصح روایت کے مطابق روٹی کی بیع گندم اور آٹے کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، لوگوں میں جس طرح رائج ہو خواہ از روئے عدد بیع کی جائے یا از روئے وزن، اور کہا گیا ہے کہ ہمارے علماء ثلاثہ (یعنی امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد رضی اللہ تعالی عنہم) کا یہی ظاہر مذہب ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے؛ کیونکہ روٹی بناوٹ کی تبدیلی کی وجہ سے مختلف جنس ہوگئی"۔

اسی طرح اگر کوئی دو اشیاء کہ جن کی اصل ایک ہو مگر ان کے مقصود میں تبدیلی آجائے تو مختلف جنس شمار کی جاتی ہیں، مثلاً دنبے کا گوشت اور چکتی اور پیٹ کی چربی کہ ان میں ہر ایک علیحدہ جنس ہے۔

جیسا کہ امام سراج الدین عمر ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں:

"صح أيضاً بيع (شحم البطن بالألية) مخففة (أو باللحم متفاضلاً؛ لأنها وإن كانت كلها من الضأن إلّا أنها أجناس مختلفة لاختلاف الأسماء والمقاصد"۔

("النهر الفائق"، كتاب البيوع، باب الربا، ج٣، ص ٤٧٨)

ترجمہ:" پیٹ کی چربی کو چکتی کی چربی اور گوشت کے بدلے میں کمی بیشی کے ساتھ بیچنا بھی جائز ہے،؛ کیونکہ یہ سب اشیاء اگرچہ دنبے ہی سے ہیں مگر نام اور مقصود کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف جنس ہیں"۔

چنانچہ اسی طرح ہر ملک کی کرنسی کی اصل تو کاغذ ہی ہے مگر ان کے نام، صفت اور مقاصد کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف اجناس ہیں۔

ایک اہم مسئلہ

چنانچہ جب یہ بات واضح ہو چکی کہ ہر ملک کی کرنسی ایک علیحدہ جنس ہے تو یہ بھی یاد رہے کہ فی زمانہ رائج نوٹ فلوس (یعنی تانبے اور پیتل کے سکوں) کے حکم میں ہیں۔ اور قوانین شرعیہ کی روشنی میں ایک ہی ملک کے سکوں کی آپس میں کمی بیشی کے ساتھ خرید وفروخت جائز ہے، البتہ! ادھار ناجائز ہے۔ جیسا کہ فقہ حنفی کی مشہور ومعروف کتاب "ہدایہ شریف" میں ہے:"يجوز بيع الفلس بفلسَين بأعيانهما"۔

("الهداية"، كتاب البيوع، باب الربا، الجزء الثالث، ص ٦٣)

ترجمہ:"ایک متعین سکے کی بیع دو متعین سکوں کے ساتھ جائز ہے"۔

اسی طرح "کنز الدقائق"، "فتح القدیر"، "عنایہ"، "کفایہ"، "البحر الرائق"،

"النھر الفائق"، "الدرالمختار"، "طحطاوی علی الدر" اور "ردالمحتار" میں ہے۔

بہرحال مذکورہ بالاعبارت میں "متعین" کی قیداس لئے لگائی ہے، کہ ہر ملک کی کرنسی ایک علیحدہ جنس (Species) ہے، چنانچہ جب ایک ہی ملک کےنوٹوں کا آپس میں تبادلہ کیا جائے گا تو قدر (Dimension/Weight And Measurement) کے نہ پائے جانے کی وجہ سے کمی بیشی جائز، اور جنس کے پائے جانے کی وجہ سے ادھار ناجائز ہوگا؛ کیونکہ جب سود کی دوعلتوں یعنی جنس اور قدر میں سے کوئی ایک علت پائی جائے تو کمی بیشی حلال اور ادھار ناجائز ہوتا ہے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام برھان الدین امام ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"إذا وجد أحدهما وعدم الآخر حل التفاضل وحرم النسأ مثل أن يسلم هروياً فی هروی أو حنطة فی شعیر"۔

("الهداية"، كتاب البيوع، باب الربا، الجزء الثالث، ص ٦٢)

ترجمہ: "اگر سود کی دونوں علتوں میں سے کوئی ایک پائی جائے اور دوسری نہ پاجائے تو زیادتی (کمی بیشی) جائز ہے اور ادھار حرام ہے، جیسے کہ ہرات کے بنے ہوئے کپڑے کو ہرات ہی کے کپڑے کےعوض بیچے یا گندم کو جو کے بدلے میں"۔

چنانچہ ایک ہی ملک کے نوٹوں کے آپس میں تبادلہ کے وقت قدر کے مفقود ہونے کی وجہ سے کمی بیشی جائز ہوگی، اور جنس کے پائے جانے کی وجہ سے ادھار ناجائز، مثلاً دس روپے کے نوٹ کو بیس روپے یا اس سے کم یا زائد میں ہاتھوں ہاتھ بیچنا جائز ہوگا۔ اور اگر دو مختلف ممالک کی کرنسیز کا آپس میں تبادلہ کیا جائے تو کمی بیشی بھی جائز ہے اور ادھار بھی جائز ہے، صرف ایک جانب سے قبضہ کافی ہے۔

چنانچہ صاحب "درمختار" امام علاؤالدین حصکفی رحمہ اللہ تعالی اس مسئلہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"(باع فلوساً بمثلها أو بدراهم أو بدنانير،فإن نقد أحدهما جاز) و إن تفرقا بلا قبض أحدهما لم يجز"

("الدر المختار"، كتاب البيوع،باب الربا، ج ٧ ، ص ٤٣٣)

ترجمہ: "اگر کسی نے فلوس کو فلوس کے عوض یا درہموں یا دیناروں کے عوض بیچا پس ان میں سے کسی ایک پر قبضہ ہو گیا تو جائز ہے، اور اگر جانبین میں سے کسی ایک پر بھی قبضہ نہ ہوا تو جائز نہیں ہے"۔

کیونکہ نوٹ عددی (گن کر خریدی اور بیچی جانے والی چیز) ہے اور عددی میں کمی بیشی جائز ہے کماقالوا ساداتنا الحنفية رحمهم الله تعالى:

"لا ربا في معدودات"

("بدائع الصنائع"، كتاب البيوع،رباالنسيئة، ج ٤ ،ص ٤٠٤، ٤٠٦ ،ملخصاً)

یعنی "شمار کر کے بیچی جانے والی اشیاء میں سود نہیں ہوتا"۔

نیز مختلف ممالک کے کرنسی نوٹ کی جنسیں مختلف ہونے کی وجہ سے ان میں ادھار بھی جائز ہے، جیسا کہ صاحب "ہدایہ" رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"وإذا عدم الوصفان الجنس والمعنى المضموم إليه حلّ التفاضل والنسأ"

("الهداية"، كتاب البيوع ، باب الربا ، الجزء الثالث ،ص ٦٢)

ترجمہ: "اور جب سود کی دونوں ہی علتیں یعنی جنس اور قدر نہ پائی جائیں تو کمی بیشی اور ادھار حلال ہے"۔

سوالات مع خلاصۂ جوابات

اب ذیل میں سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے کیے گئے سوالات اوران کے جوابات خلاصہ کے طور پر پیشِ خدمت ہیں:۔

سوال نمبر1 کیا یہ نوٹ مال(Property) ہے یا تحریری اقرار نامہ(Stamp Paper) کی طرح کوئی سند(Cheque) ہے؟

جواب: سیدی اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سوال کے جواب میں کسی انسائیکلوپیڈیا (Encyclopedia)یا اکنامکس کی کتاب کا حوالہ دینے کے بجائے بحیثیت فقیہ وامام وشیخ الاسلام فقہی اصول وقوانین کی روشنی میں ارشاد فرمایا کہ:

"نوٹ کی حقیقت کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے جو مالِ متقوّم(Valuable Property) ہے، اورسکّہ (Currency) ہونے کی وجہ سے لوگوں کی رغبت اس کی طرف بڑھ گئی اور یہ حاجت وضرورت کے وقت کام آنے والی اورضرورت کے لئے سنبھال کر رکھی جانے والی چیز ہوگئی۔"ردالمحتار"،"بحرالرائق"،"اورتلویح"میں"مال" کی یہی تعریف کی گئی ہے لہٰذا نوٹ شرعاً،عقلاً اورعرفاً"مال"ہے،نہ کہ تمسّک یارسید(Receipt)وغیرہ۔

چنانچہ علامہ کمال الدین عبدالواحد ابن ہمام"فتح القدیر"میں فرماتے ہیں:

"لو باع كاغذة بألف يجوز و لا يكره"۔

(فتح القدير ، كتاب الكفالة ، ج ٦، ص ٣٢٤)

ترجمہ:"اگرکوئی شخص اپنے کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار روپے کے بدلے میں بیچے تو یہ خرید وفروخت بلاکراہت جائز ہے"۔

بہر حال اس کاغذ کے ٹکڑے پر لکھائی وغیرہ کی وجہ سے اس کی اتنی قیمت ہوگئی ہے اور شرعاً اس کی ممانعت بھی نہیں، بلکہ "قرآن کریم" میں واضح دلیل موجود ہے۔

﴿اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ﴾(پ ٥، النسآء: ٢٩)

ترجمۂ کنز الایمان: " مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو"۔

پھر آپ علیہ رحمۃ الرحمٰن نے وضاحت فرمائی کہ مال چار قسم کا ہوتا ہے:۔

١......وہ اشیاء جو ہر حال میں ثمن (Money) رہیں، جیسے سونا، چاندی وغیرہ۔

٢......وہ اشیاء جو ہر حال میں مبیع (Sold Thing) رہیں، جیسے کپڑے اور چوپائے وغیرہ۔

٣......وہ اشیاء جن کی ذات میں (Infocus) کوئی ایسا وصف (Description) ہو جس کی وجہ سے وہ چیز کبھی ثمن کہلاتی ہو اور کبھی مبیع۔

٤......وہ اشیاء جو حقیقۃً متاع (Chattel) ہوں اور اصطلاحاً ثمن (Currency)، جیسے پیسے کہ جب تک ان کا رواج رہے ثمن ہیں ورنہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائینگے۔

اور نوٹ اسی چوتھی قسم سے ہے؛ کیونکہ اصل میں تو یہ ایک متاع (Chattle) ہے اور عام بول چال میں ثمن ہے اسی لئے نوٹ کے ساتھ تمسک (Receipt) یا وثیقہ (Written Agreement) جیسا معاملہ نہیں، بلکہ ثمن کا سا معاملہ کیا جاتا ہے۔

بہر حال موقع کی مناسبت سے ہم یہاں "فتح القدیر" کی مذکورہ بالا عبارت سے متعلق ایک دلچسپ واقعہ پیش کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:۔

٤ رصفر ١٣٢٤ھ کو سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "کفل الفقیہ" کے مُبَیَّضَہ (پہلی مرتبہ لکھی گئی تحریر کو ترتیب دیے جانے کے بعد) کی پروف ریڈنگ کے لئے کتب خانۂ حرم میں پہنچے، دیکھا کہ ایک جید عالم مولانا عبد اللہ بن صدیق مفتی حنفیہ

بیٹھے "کفل الفقیہ" کے مسوَّدہ (First Copy) کا مطالعہ کر رہے ہیں۔

جب وہ اس مقام پر پہنچے جہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے "فتح القدیر" سے یہ عبارت نقل فرمائی کہ "لو باع كاغذة بألف يجوز ولا يكره"

(فتح القدير، كتاب الكفالة، ج ٦، ص ٣٢٤)

یعنی "اگر کوئی شخص اپنے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو بلا کراہت جائز ہے" تو پھڑک اٹھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولے:

"اَیْنَ جَمَالُ ابْنُ عَبْدِاللّٰهِ مِنْ هٰذَا النَّصِّ الصَّرِيْح"

ترجمہ: "جمال بن عبداللہ اس واضح دلیل سے کہاں غافل رہ گیا"......!

کیونکہ جب گزشتہ زمانے میں حضرت مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر مکی۔علیہ الرحمۃ۔ مفتی حنفیہ تھے تو ان سے بھی نوٹ کے بارے میں سوال ہوا تھا۔انہوں نے جواب میں لکھا کہ "علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے، مجھے اس کے جزئیہ (Detail) کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کیا حکم دوں۔" موجودہ مفتی حنفیہ مولانا عبداللہ بن صدیق کا اشارہ انہیں کی جانب تھا۔ ("سوانح إمام أحمد رضا"، ص ٣١٤)

بہر حال عرب کے علماء کرام رحمۃ اللہ تعالی علیہم نے تو نوٹ کی حقیقت بیان کرنے سے معذرت کر کے دیانت داری کا ثبوت دیا اور بقول حضرت سیدنا علی مرتضی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم کہ "لا أدري یعنی میں نہیں جانتا کہنا نصف علم ہے" کہہ کر لائقِ تحسین ہوئے۔لیکن مخالفین میں سے بعض کو سیدی اعلی حضرت علیہ الرحمۃ کی دلائل سے مزین ومبرہن یہ تحقیق انیق ہضم نہیں ہوئی بلکہ نوٹ سے متعلق پوچھے گئے سوالات کے جوابات میں تصریحاتِ ائمہ کی مخالفت کر کے حکمِ شرع کچھ کا کچھ کر دیا جس

کا روشن ثبوت دیوبندی علماء کا سرخیل مولوی رشید احمد گنگوہی ہے، جو دیوبندی حضرات کے نزدیک تمام علوم دینیہ میں منصبِ امامت پر فائز، نیز فقہ میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی زیادہ متبحر عالم اور صاحب "بحر الرائق" کے ہم پلہ وفقیہ النفس تھا۔ (یہ سب دعوے "فتاویٰ رشیدیہ" کے دیباچے میں تحریر کیے گئے ہیں) گنگوہی موصوف سے نوٹ کے بارے میں پوچھے گئے سوالات میں سے دو کے جوابات ملاحظہ ہوں۔

۱:......نوٹ کی خرید وفروخت برابر قیمت پر بھی درست نہیں مگر اس میں حیلہ حوالہ ہوسکتا ہے اور بحیلۂ عقدِ حوالہ کے جائز ہے مگر کم زیادہ پر بیع کرنا ربوٰ یعنی سود اور ناجائز ہے۔

("فتاویٰ رشیدیه"، ص ٤٧٦)

۲:......روپیہ بھیجنے کی آسان ترکیب نوٹ کی رجسٹری یا بیمہ کرادینا ہے۔

("فتاویٰ رشیدیه"،ص ٤٨٩)

مذکورہ بالا کتاب میں گنگوہی موصوف نے اسی طرح کے مزید اور جوابات بھی دیے ہیں جن کو شریعتِ مطہرہ سے کچھ پاس نہیں۔ الامان الحفیظ

۱۳۲۹ھ میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالی عنہ نے "الذیل المنوط لرسالة النوط" کے تاریخی نام سے ایک مستقل رسالہ جو "کفل الفقیه" کا تتمہ ہے لکھا، اس میں گنگوہی موصوف کے مذکورہ فتاوی کا جو کہ تصریحاتِ ائمہ کے خلاف ہیں۔ کتبِ حدیثیہ وفقہیہ مثلاً "ترمذی"، "نسائی"، "احمد"، "ہدایہ"، "فتح القدیر"، "عنایہ"، "عالمگیری"، "درمختار"، "بحر الرائق"، "نہر الفائق"، "شامی"، "فتاویٰ قاضی خان" وغیرہ کی روشنی میں وہ اٹھارہ محققانہ ردّ فرمائے کہ اہل علم حضرات کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں اور وہ اللہ تبارک وتعالی کا شکر بجالائے کہ انہیں ایسے زبردست، مایہ ناز، محقق

وفقیہ اعظم کے فیوض وبرکات سے مستفید ہونے کا شرف ملا۔

علامہ عبدالحیٔ صاحب لکھنوی نے بھی اس بارے میں ایک طویل فتویٰ جاری کیا تھا جوان کے فتاویٰ کی جلد دوم میں چھبیسواں فتویٰ ہے۔ موصوف ایک متبحر عالم تھے لیکن ان کی تحقیق (Research) اس بارے میں ائمہ کرام کی تصریحات کے خلاف واقع ہوئی، چنانچہ علمی غلطیوں سے چشم پوشی کر جانا ایک مجدد کی شان سے بعید ہے؛ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ شانہ مُجَدّ دِ دین کو پیدا ہی اس لئے کرتا ہے کہ دین میں جب غلط باتیں شامل کی جارہی ہوں تو مجدِّ د اللہ رب العزت کی مدد ونصرت سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دکھائے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے علامہ عبدالحیٔ کے فتویٰ پر دلائل کی روشنی میں محققانہ انداز سے ایک سو بیس اعتراضات (Objections) پیش کیے ان بلند پایہ ابحاث کو دیکھ کر مصنف پر مجتہد ہونے کا گمان گزرتا ہے، لیکن آپ علیہ الرحمۃ نے اس انعام خداوندی کا اظہار یوں فرمایا: "وللہ الحمد، بایں ہمہ حاشا نہ فقیر مجتہد ہے نہ ائمہ مجتہدین کے ادنیٰ غلاموں کا پاسنگ، ان کی خاکِ نعل کے برابر بھی منہ نہیں رکھتا، نہ معاذ اللہ شرع الٰہی میں اپنی عقل قاصر کے بھروسے پر کچھ بڑھا سکتا ہے۔ اس فتویٰ اور ان دونوں رسالوں میں جو کچھ ہے جہد المقل ہے یعنی ایک بے نوا محتاج کی اپنی طاقت بھر کوشش"۔

سوال نمبر۲: جب نوٹ کی مالیت نصابِ زکوٰۃ (Minimum Amount of Property Liable for paying Zakat) تک پہنچ جائے اور اس پر سال بھی گزر جائے تو نوٹ پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟

جواب: چونکہ بعض حضرات کے نزدیک نوٹ کی حیثیت رسید کی سی تھی، لہذا ان کے

نزدیک نوٹ پر زکوۃ کی ادائیگی بھی واجب نہ تھی؛ کیونکہ قوانینِ شرعیہ کی رو سے مال اگر کسی کو قرض دیا گیا ہو تو اس پر اس وقت تک زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہیں ہوتی کہ جب تک اس مال کے پانچویں حصہ پر قبضہ نہ کرلے۔ چنانچہ اس مسئلے کو ذہن میں رکھتے ہوئے جواب ارشاد فرمایا کہ نوٹ میں زکوٰۃ اپنی شرطوں کے ساتھ واجب ہے کہ وہ خود قیمتی مال (Valuable Property) ہے دستاویز یا قرض کی رسید نہیں کہ جب تک نصاب کا پانچواں حصہ قبضے میں نہ آئے زکوٰۃ دینا واجب نہ ہو، اور نوٹ میں نیت تجارت کی بھی حاجت نہیں اس لئے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ ثمن اصطلاحی (Terminological Currency) جب تک رائج ہے زکوٰۃ اس میں واجب ہے۔ اس سوال سے اس وہم کا ازالہ بھی مقصود تھا جو کہ بعض لوگوں کے غلط فتوی کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا وہ یہ کہ چونکہ نوٹ سونے چاندی کی رسید ہے اس لئے فقیر جب تک ان نوٹ کو خرچ نہ کرلے زکوۃ ادا نہ ہوگی اور اگر بالاتفاق فقیر کے استعمال سے پہلے یہ نوٹ فقیر سے ضائع ہوگئے تو بھی زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ لہذا امام اہلسنت رحمہ اللہ تعالی نے واضح لفظوں میں فرمادیا کہ نوٹ خود قیمتی مال ہے، مطلقاً فقیر کو از روئے تملیک حوالے کرنا زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے کافی ہے۔

سوال نمبر۳: کیا اسے مہر (Dower) میں دینا درست ہے؟

جواب: یہ سوال اس لئے کیا گیا تا کہ یقینی طور پر واضح ہو جائے کہ نوٹ "مال" ہے کیونکہ شرعی قوانین کے مطابق مہر میں وہی چیز دی جاسکتی ہے جو کہ بیع میں ثمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہو، اور بیع میں ثمن وہی چیز بن سکتی ہے جو کہ "مال" ہو۔ چنانچہ آپ علیہ رحمۃ الرحمٰن نے جواباً ارشاد فرمایا کہ "نوٹ مہر میں دیا جاسکتا ہے"۔

سوال نمبر۴ : اگر کوئی اسے محفوظ مقام سے چوری کرے تو اسکا ہاتھ کاٹنا واجب

ہوگا یا نہیں؟

جواب: نوٹ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا جبکہ حدّ جاری ہونے کی دیگر شرائط بھی پائی جائیں؛ کیونکہ نوٹ "مال" ہے۔ یہ سوال بھی اسی لیے کیا گیا تھا کہ نوٹ کا "مال" ہونا متیقن ہوجائے۔

سوال نمبر۵: اگر کوئی شخص کسی کا نوٹ ضائع کردے تو اس کے بدلے میں نوٹ ہی دینا ہوگا یا چاندی کے روپے بھی دیئے جاسکتے ہیں؟

جواب: اس سوال سے بھی اس بات کی وضاحت طلب کرنا مقصود تھی کہ نوٹ رسید ہے یا ثمن اصطلاحی؟ کیونکہ قوانینِ شرعیہ کی رو سے صرف مال ہی کے ضائع کرنے پر تاوان لازم آتا ہے، چنانچہ اگر نوٹ مال ہوا تو تاوان ہوگا اور صرف رسید یا تمسک ہوا تو تاوان لازم نہ ہوگا، نیز یہ کہ نوٹ کی ثمنیت چاندی کی ثمنیت کی طرح ہے یا اس سے درجے میں کم ہے، تو اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت علیہ رحمۃ الرحمٰن نے جواباً ارشاد فرمایا کہ " کوئی کسی کا نوٹ ضائع (Destruction) کردے تو اس کے تاوان (Penalty) میں نوٹ ہی دینا لازم آئے گا، اور ضائع کرنے والے کو خاص چاندی کا روپیہ ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا"۔ اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمٰن کے اس جواب سے یہ بات واضح ہوئی کہ " نوٹ کے بدلے نوٹ ہی دیا جائے گا؛ کیونکہ تاوان کی ادائیگی میں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ جب کسی چیز کا مثل (Similar Thing) دیا جانا ممکن ہو تو اس کی قیمت کی طرف پھرنا جائز نہیں، ہاں! اگر مثلی چیز دینے پر قادر نہ ہو تو اس کا بدل بھی دیا جانا جائز ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ چاندی نوٹ کا بدل ہوسکتی ہے"۔

سوال نمبر۶: کیا اس نوٹ کو چاندی کے روپوں یا سونے کی اشرفیوں یا تانبے کے پیسوں

کے بدلے میں بیچنا جائز ہے؟

جواب: چونکہ بعض لوگوں کے نزدیک نوٹ مال نہ تھا، بلکہ یہ تو سونے چاندی کی رسید تھی، لہذا اس کے ذریعے سے سونے چاندی کی خرید وفروخت کرنا جائز نہیں تھی، جیسا کہ ہم نے ابتدائی سطور میں اس بات کو ذکر کیا ہے۔لہذا اس سوال سے لوگوں کے غلط فتوی کی وجہ سے پیدا ہونے والے وہم کا ازالہ مقصود تھا، چنانچہ امام اہلسنت مجدّ دِ دین وملت رحمہ اللہ تعالی نے نہ صرف اس وہم کا ازالہ فرمایا بلکہ اس کے علاوہ وارد ہونے والے ایک اعتراض کا جواب بھی پیشگی دیدیا۔وہ اعتراض کچھ اس طرح سے ہے کہ بیچی جانے والی شے کے لئے ضروری ہے کہ وہ مال متقوم ہو اور اس کی کم از کم قیمت ایک پیسہ ہو، جبکہ نوٹ میں جو کاغذ استعمال ہوتا ہے اس کی قیمت ایک پیسے کے برابر بھی نہیں ہوتی ،لہٰذا نوٹ کی خرید وفروخت درست نہیں ہونی چاہیے۔

آپ رحمہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ نوٹ سے سونے کی اشرفیاں اور چاندی کے سکے یعنی دراہم خریدنا جائز ہے، جیسا کہ تمام شہروں میں اس پر عملدرآمد ہے۔اور دوسرے اعتراض کو چار طریقوں سے رفع فرمایا۔

اول : اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ شئے کی اصل مالیت کا اعتبار نہیں، بلکہ آج کل اس کی جو قیمت ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا ،چنانچہ فرماتے ہیں: اصل کے لحاظ سے اگرچہ وہ کاغذ کا ٹکڑا واقعی ایک پیسے کا بھی نہیں،لیکن اصطلاحی طور پر تو آج اس کی مالیت سو یا ہزار روپے کی ہے،لہٰذا موجودہ مالیت کو دیکھا جائے گا نہ یہ کہ اصل میں کیا ہے۔

دوم : مٹی کے برتن مسلمانوں میں بکتے اور خریدے جاتے ہیں ان کی اصل مٹی ہے اور مٹی مال نہیں۔

سوم: خود دھات کے بنے ہوئے پیسے کی جو مرّوجہ قیمت ہے وہ اس کی اصل کے لحاظ سے نہیں، یوں تو پیسے کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں رہتی کہ اصل کے لحاظ سے خود پیسے کی قیمت بھی ایک پیسہ نہیں ہے۔

چہارم: عالم دین کی شرعاً عقلاً عرفاً تعظیم کی جاتی ہے حالانکہ اصل میں وہ بھی دوسرے آدمیوں کی طرح بے خبر پیدا ہوا تھا۔

مزید برآں " کفایہ "، "فتح القدیر"، "ردالمحتار"، "بحرالرائق"، " کشف کبیر"، "تنویرالابصار"، "قنیہ "، " ظہیریہ "، "درروغرر"، "غنیّۃ"، "شرنبلالی"، "طحطاوی"اور "درمختار"وغیرہا کتب سے اس مسئلے کا تسلی بخش اور مدلل جواب دیا۔

سوال نمبر ۷: اگر نوٹ کے عوض کپڑے خریدے جائیں تو یہ خرید و فروخت بیع مطلق (Absolute Sale) کہلائیگی یا مقایضہ (Barter Sale)؟

جواب: نوٹ ثمن اصطلاحی ہے، تو کپڑے سے اس کا بدلنا مقایضہ نہ ہوگا، بلکہ بیع مطلق ہوگا، اور خاص وہی نوٹ دینا لازم نہ آئے گا، بلکہ پیسوں کی طرح ذمہ پر لازم ہوگا۔

سوال نمبر ۸: کیا اس نوٹ کو بطور قرض دینا جائز ہے اگر جائز ہے؟ تو ادائیگی قرض کے وقت نوٹ ہی واپس کیے جائیں گے یا چاندی کے روپے بھی دیئے جاسکتے ہیں؟

جواب: نوٹ قرض دینا جائز ہے؛ کیونکہ نوٹ مثلی شئے (Similar Thing) ہے، اور اس کی ادائیگی مثلی اشیاء ہی سے کی جائے گی، بلکہ ہر قرض اپنی مثل ہی سے ادا کیا جاتا ہے۔ ہاں البتہ! اگر قرض دیتے وقت شرط نہ کی گئی تھی، بلکہ ادائیگی کے وقت ادا کرنے والے نے کسی اور صورت میں ادائیگی کرنا چاہی اور لینے والا بھی راضی ہوگیا تو جائز ہے۔

سوال نمبر ۹: کیا کرنسی نوٹ کو چاندی کے روپوں کے بدلے میں ایک معین مدت تک کے

لئے ادھار بیچنا جائز ہے؟

جواب: نوٹ کو چاندی کے دراہم کے بدلے میں ادھار بیچنا جائز ہے جب کہ اسی مجلس میں نوٹ پر قبضہ کرلیا جائے تا کہ طرفین دَین کے بدلے دَین بیچ کر جدا نہ ہوں چنانچہ اس موقف پر سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے کتبِ فقہیہ کی روشنی میں زبردست دلائل دیے اور اس مسئلے کے متعلق پوری فقہ حنفی کا نچوڑ بیان کر کے رکھ دیا، بہرحال اس سوال کے جواب میں آپ علیہ رحمۃ الرحمٰن نے جس انداز میں دلائل کے انبار لگائے ہیں وہ آپ کی فقہی مہارت تامہ کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

سوال نمبر۱۰: کیا اس نوٹ میں بیع سلم (V.alivrer) جائز ہے؟

جواب: شرعی اصول وقوانین کی روشنی میں ثمن میں بیع سلم جائز نہیں؛ کیونکہ یہ متعین نہیں ہوتے، اور اسی وجہ سے سونا چاندی میں بھی بیع سلم جائز نہیں ہے، اور نوٹ بھی ثمن اصطلاحی ہیں، لہذا اس اعتبار سے ان میں بیع سلم جائز نہیں ہونی چاہیے مگر سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے فرمایا کہ " نوٹ میں بیع سلم جائز ہے کیونکہ جب ان کی ثمنیت باطل کر دی جائے تو یہ کاغذ کے ٹکڑے ہونے کی وجہ سے متعین ہو جائیں گے، ہاں البتہ! امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایتِ نادرہ "بحر" میں اس کے خلاف آئی ہے"۔ پھر آپ علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اس موقف پر بھی "ہدایہ شریف"، "فتح القدیر"، "درمختار" اور دیگر کتب فقہیہ کی روشنی میں بحث کی، نیز دلائلِ عقلیہ ونقلیہ سے امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے اِثبات کو امام محمد رحمہ اللہ کے انکار پر ترجیح دی، اور ثابت کیا کہ اس باب میں فتویٰ شیخین رحمہما اللہ کے قول پر دینا چاہیے۔

سوال نمبر۱۱: کیا نوٹ کو اس کی مالیت سے کم یا زیادہ قیمت کے بدلے بیچنا جائز ہے؟ مثلاً

بارہ کا نوٹ دس یا بیس کے نوٹ کے عوض بیچنا؟

جواب: نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہے اس سے کم یا زیادہ جتنے پر بھی خریدنے اور بیچنے والے راضی ہو جائیں، اس کا بیچنا جائز ہے، اس لئے کہ یہ بات بخوبی واضح ہو چکی ہے کہ نوٹوں کا مخصوص قیمت سے اندازہ کرنا صرف لوگوں کی اصطلاح (Terminology) کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، یعنی سو روپے کا نوٹ صرف اس لئے سو روپے کا کہلاتا ہے کہ عرف عام میں اسے سو روپے کے برابر سمجھا جاتا ہے اور خریدنے اور بیچنے والے پر کوئی تیسرا زبردستی نہیں کرسکتا؛ کیونکہ اس تیسرے کو ان دونوں پر کوئی ولایت (GuardianShip) حاصل نہیں، جیسا کہ "ہدایہ" اور "فتح القدیر" کے حوالے سے گزر چکا کہ بائع ومشتری (Seller & Purchaser) کو اختیار ہے کہ کم یا زیادہ جتنی قیمت چاہیں مقرر کرلیں۔

سیدی اعلیٰ حضرت علیہ رحمۃ الرحمٰن کے بیان کردہ مسئلے سے بعض کو سود (Usury) کا اشتباہ ہوسکتا تھا چنانچہ آپ علیہ رحمۃ الرحمٰن نے اس مسئلہ کی بھی وضاحت فرمادی کہ سود کی دو علتیں (Causes) ہیں، ایک جنس اور دوسری قدر (یعنی کسی چیز کا مکیلی یعنی ناپ کر بکنا یا موزونی یعنی وزن سے بکنا)، اگر کسی چیز کے کسی دوسری چیز سے تبادلے میں قدر (Dimension) اور جنس (Species) دونوں یکساں ہوں تو کمی بیشی اور ادھار دونوں حرام۔ اور اگر جنس وقدر میں سے کوئی ایک علت پائی جائے تو کمی بیشی حلال اور ادھار حرام، اور نوٹ کی نوٹ سے خرید وفروخت میں سود کی دو علتوں میں سے صرف ایک علّت یعنی جنس پائی جاتی ہے، لہذا کمی بیشی جائز اور ادھار نا جائز ہے۔

چنانچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کثیر کتبِ فقہیہ کی روشنی میں نوٹ کا کم اور زیادہ پر بیچنا جائز ثابت کیا اور مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی کا فتویٰ جو اس کے خلاف تھا

اس کی اصلاح فرمائی۔اورآگے چل کر قوانینِ شرعیہ کی روشنی میں ایسے چھ شرعی حیلے (Stratagems)بیان کیے کہ جن پر عمل کر کے کثیر منافع حاصل کیے جاسکتے ہیں اور سود سے بھی بچا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اگر فقہاء کرام کے بیان کردہ اُن طریقوں پر ہمارے ارباب حل وعقد توجہ فرمالیں تو آج نہایت آسانی سے بینکنگ کے نظام کو شریعتِ مطہرہ کے عین مطابق زیادہ منافع بخش بنایا جاسکتا ہے۔

سوال نمبر۱۲: کیا یہ صورت کہ زید جب عمرو سے قرض لینا چاہے تو عمرو کہے کہ چاندی کے روپے تو میرے پاس نہیں البتہ دس کا نوٹ چاندی کے بارہ روپوں کے عوض تجھے ایک سال تک قسطوں (Instalment) پر بیچتا ہوں اس شرط پر کہ تم ہر مہینہ مجھے ایک روپیہ بطور قسط ادا کرو گے جائز ہے؟ یا پھر یہ صورت سود کا حیلہ ہونے کی وجہ سے منع ہے،اور اگر یہ صورت جائز ہے تو اس میں اور سود میں کیا فرق ہے کہ یہ حلال اور وہ حرام ہے، حالانکہ دونوں سے مقصود(Intended) زائد مال کا حصول ہے۔

جواب: مذکورہ سوال کا جواب دیتے ہوئے سیدی اعلی حضرت علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں:''اگر دونوں حقیقۃً بیع ہی کی نیت سے لین دین کریں اور قرض کی نیت نہ کریں تو یہ صورت جائز ہے، نیز اس صورت میں کمی بیشی اور مدت معیّنہ (Term) تک اُدھار بھی جائز ہے''۔ کیونکہ نوٹ کاغذ کی جنس سے ہے اور روپے چاندی کی جنس سے، چنانچہ دونوں کی جنسیں مختلف ہوئیں اور ان میں قدر بھی مشترک نہیں ؛ کیونکہ دونوں ہی گِن کر بکنے والی چیزیں ہیں،اور گِن کر بکنے والی اشیاء میں سود نہیں ہوتا، جیسا کہ شروع میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے لہذا ان دونوں کے تبادلے میں کمی بیشی اور اُدھار دونوں ہی جائز ہیں۔جیسا کہ ہم ان سب باتوں کی تحقیق بیان کر آئے اور قسط

بندی بھی ایک قسم کی مدت معیّن کرنا ہی ہے یہ بھی جائز ہے، ہاں……! اگر دس کا نوٹ قرض دیا اور شرط کر لی کہ قرض لینے والا بارہ یا گیارہ روپے اب یا کچھ مدت بعد قسط بندی سے یا بلا قسط واپس دے تو یہ ضرور حرام اور سود ہے؛ کیونکہ یہ ایک قرض ہے جس سے نفع حاصل کیا گیا۔ اور بے شک ہمارے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

((كل قرض جر منفعة فهو ربا))

ترجمہ: ''جو قرض کوئی نفع کھینچ کر لائے وہ سود ہے''۔

(كنز العمال، كتاب الدين والسلم، رقم الحديث: ١٥٥١٢، ج٦، ص ٩٩)

گویا اس صورت میں تجارت جائز اور قرض ناجائز ہے۔

اس کے بعد کتبِ حدیثیہ وفقہیہ کی روشنی میں امام اعظم ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے نظریات واضح فرمائے اور ہر پہلو سے مسئلہ کی حقیقت کو روشن کر دکھایا۔ سود کی حد بندی کر کے جائز طریقوں پر نفع حاصل کرنے کی صورتیں بھی تحریر فرما دیں اور اس اعتراض "تو اس میں اور سود میں کیا فرق ہے کہ یہ حلال اور وہ حرام ہے؟" کا جواب بھی ارشاد فرما دیا۔

اب آیئے! سیدی اعلی حضرت، امام اہلسنت، امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کے اس مبارک رسالے "كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم" کا ترجمہ بنام ''کرنسی نوٹ کے شرعی احکامات'' ملاحظہ فرمائیں۔

شعبۂ کتب أعلی حضرت

المدینۃ العلمیۃ

كفل الفقيه الفاهم
في أحكام قرطاس الدراهم

سوال :"اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز فرمائے" کرنسی نوٹ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ اس سے متعلق چند باتیں دریافت کرنی ہیں۔

1۔کیا یہ نوٹ مال(Property/Money) ہے یا تحریری اقرار نامہ کی طرح کوئی سند؟

2۔جب نوٹ کی مالیت نصابِ زکوۃ (Minimum Amount of Property Liable for paying Zakat) تک پہنچ جائے اور اس پر سال بھی گزر جائے تو نوٹ پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

3۔کیا اسے مہر میں دینا درست ہے؟

4۔اگر کوئی اسے محفوظ جگہ سے چوری کرے تو اسکا ہاتھ کاٹنا[۱] واجب ہوگا یا نہیں؟

5۔اگر کوئی شخص کسی کا نوٹ ضائع کردے تو اس کے بدلے میں نوٹ ہی دینا ہوگا یا چاندی کے روپے[۲] بھی دیئے جاسکتے ہیں؟

۱......اگر کوئی شخص دس درہم کے برابر یا اس سے زائد قیمت کی شئے کسی محفوظ مقام سے چوری کرے تو شریعت میں اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے۔اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۲......اُس زمانے میں روپے چاندی سے، اشرفیاں سونے اور پیسے عموماً تانبے وغیرہ سے بنائے جاتے تھے۔

6۔کیا اس نوٹ کو چاندی کے روپوں یا سونے کی اشرفیوں یا تانبے کے پیسوں کے بدلے میں بیچنا جائز ہے؟

7۔اگر نوٹ کے عوض کپڑے خریدے جائیں تو یہ خرید وفروخت بیع مطلق[۱] ہوگی یا مقایضہ[۲]؟

8۔کیا اس نوٹ کو بطورِ قرض دینا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو ادائیگیِ قرض کے وقت نوٹ ہی واپس کیئے جائیں گے یا چاندی کے روپے بھی دیئے جاسکتے ہیں؟

9۔کیا کرنسی نوٹ کو چاندی کے روپوں کے بدلے میں ایک معین مدت تک کے لئے بطورِ قرض بیچنا جائز ہے؟

10۔کیا اس نوٹ میں بیعِ سَلَم[۳] جائز ہے۔

11۔کیا نوٹ کو اس کی مالیت سے کم یا زیادہ قیمت کے بدلے بیچنا جائز ہے، مثلاً بارہ کا نوٹ دس یا بیس کے نوٹ کے عوض بیچنا؟

12۔جب ایک شخص زید دوسرے شخص عمرو سے قرض لینا چاہے تو عمرو کہے کہ چاندی کے

۱......"بیع مطلق" اس بیع کو کہتے ہیں جس میں روپے پیسے کے بدلے کوئی سامان وغیرہ خریدا یا بیچا جاتا ہے

۲......"مقایضہ" اس بیع کو کہتے ہیں جس میں روپے اشرفی نہیں بلکہ ایک سامان کے عوض دوسرا سامان خریدا یا بیچا جاتا ہے۔

۳......خرید وفروخت میں اگر قیمت پہلے ادا کردی جائے اور سامان کچھ مدت بعد دیا جائے اُسے "بیع سَلَم" کہتے ہیں۔

روپے تو میرے پاس نہیں البتہ! دس کا نوٹ چاندی کے بارہ روپوں کے عوض تجھے ایک سال تک کے لئے قسطوں (Instalment) پر بیچتا ہوں، اس شرط پر کہ تم ہر مہینہ مجھے چاندی کا ایک روپیہ بطور قسط ادا کرو گے تو کیا یہ صورت جائز ہے؟ یا پھر یہ صورت سود کا حیلہ ہونے کی وجہ سے منع ہے؟ اور اگر یہ صورت جائز ہے تو اس میں اور سود میں کیا فرق ہے کہ یہ حلال اور سود حرام؟ حالانکہ دونوں سے مقصود زائد مال کا حصول ہے۔ ہمیں جواب عطا فرما کر بروز قیامت اجر حاصل کیجئے۔

الجواب

اللھم لک الحمد یا وھاب

الٰہی ہمارے سردار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو تیری طرف بہت ہی رجوع کرنے والے ہیں ان پر اور ان کی آل وازواجِ مطہرات اور تمام صحابہ کرام پر رحمت اور سلامتی نازل فرما، میں تجھ سے حق اور درستی کی رہنمائی کا سوال کرتا ہوں۔

اے سوال کرنے والے (اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو توفیق عطا فرمائے اور ہماری رہنمائی فرمائے) یہ جان لو کہ نوٹ نہایت جدید اور نئی چیز (New Invention) ہے، تمہیں علماء کرام کی کتب میں اس کا ذکر بھی نہیں ملے گا، یہاں تک کہ ماضی قریب کے فقیہ علامہ (The Religious Lawyer of Islam) ابن عابدین شامی - رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ - اور ان کے ہم عصر علماء کی کتب بھی نوٹ کے ذکر سے خالی ہیں مگر اللہ تعالیٰ

ہمارے ان ائمہ کرام- رضی اللہ عنہم- کی محنت قبول فرما کر ہمیں ان کی برکتوں سے فیضیاب فرمائے جنہوں نے اس دین اسلام کے مسائل کافی تفصیل سے بیان فرمادیئے ہیں، اوراب یہ شریعت اس قدر روشن ہوچکی ہے کہ اس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے۔ الحمدللہ! علماء کرام نے ایسے قواعد (Rules) ترتیب دیئے ہیں جن کے ذریعے سے بے شمار مختلف نوعیّتوں کے مسائل کے شرعی احکام معلوم کئے جاسکتے ہیں، اگرچہ نئی ایجادات کا سلسلہ جاری رہے گا، مگران کے شرعی احکام ان احکامات کے دائرہ سے باہر نہ نکلیں گے جو ہمیں ائمہ کرام سے حاصل ہوئے، اوراگر اللہ نے چاہا تو ہر دور میں ایسے علماء موجود ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ کتاب وسنت اور ائمہ کے بنائے ہوئے قواعد سے نئی پیدا شدہ چیزوں کے شرعی احکامات نکالنے (Extraction) کی توفیق عطا فرمائے گا۔

بعض لوگ ذہن کے تیز ہوتے ہیں اور بعض کند ذہن ہوتے ہیں اور انسان کبھی غلطی کرتا ہے کبھی درستی (Accuracy) تک پہنچتا ہے اور علم تو اسی نور کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کے دل میں چاہے ڈال دے، اس لئے اللہ تعالیٰ سے توفیق اور ہدایت طلب کرنا نہایت ضروری ہے اور ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے، ہمیں اس پر اور پھر اس کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر بھروسا ہے۔

اور بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ بزرگ و برتر اور خوب کرم فرمانے والا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر رحمت نازل فرمائے......!

میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں؛ کیونکہ اسی کی توفیق سے تحقیق کی بلندیوں تک پہنچنا ممکن ہے کہ آپ کا پہلا سوال آپ کے تمام سوالات کی اصل و بنیاد (Base) ہے؛ کیونکہ جب نوٹ کی حقیقت آشکار ہوجائے گی تو اس سے متعلق تمام احکام بھی واضح ہوجائیں گے۔

نوٹ کی حقیقت کا بیان

کرنسی نوٹ کی حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے، اور کاغذ ایک قیمت والا مال ہے، اور اس پر مہر لگنے کی وجہ سے لوگ اس کی طرف مائل ہوگئے، اور اسے ضرورت کے وقت کیلئے جمع کر کے رکھنے لگے۔

اور مال کی تعریف (Defination) بھی یہی ہے کہ "لوگ اس کی طرف مائل ہوں اور اسے ضرورت کے وقت کیلئے جمع کر کے رکھنا ممکن ہو"، جیسا کہ فقہ کی معتبر کتب "بحر الرائق" اور "فتاوی شامی"[1] وغیرہما میں ہے۔

("ردّ المحتار"، کتاب البیوع، مطلب: في تعریف المال والملك المتقوم، ج۷، ص۸،)

نیز یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے جس طرح مسلمانوں کو شراب اور خنزیر سے نفع اٹھانے سے منع کیا ہے اس طرح سے کاغذ کے ٹکڑوں سے اپنی مرضی کے مطابق نفع اٹھانے سے منع نہیں کیا، اور کسی چیز کے قیمت والے مال ہونے کا

ا...... "فتاویٰ شامی" علامہ ابن عابدین شامی-علیہ الرحمہ- کی گراں قدر تصنیف ہے جو کہ "ردالمحتار" کے نام سے موسوم ہے۔

دارومدار اسی بات پر ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے اس سے نفع اٹھانے سے منع نہ کیا ہو، جیسا کہ "فتاویٰ شامی" میں ہے۔

مال کی تعریف

اسی "فتاویٰ شامی" میں اصول فقہ کی معتبر کتاب "تلویح" کے حوالے سے لکھا ہے کہ "مال وہ چیز ہے جسے وقت حاجت کے لئے جمع کیا جائے اور مال کے لئے اس کا قیمت والا ہونا ضروری ہے"۔

("ردّ المحتار"، کتاب البیوع، مطلب: في تعریف المال والملك المتقوم، ج۷، ص۸)

اور اسی "فتاویٰ شامی" میں "بحر الرائق" اور "الحاوی القدسی" کے حوالے سے منقول ہے کہ "آدمی کے علاوہ ہر وہ چیز مال کہلاتی ہے جسے آدمی کے فائدے کے لئے پیدا کیا گیا ہو اور اسے حفاظت سے رکھا جانا ممکن ہو اور آدمی اسے اپنی مرضی سے استعمال کر سکے"۔

("ردّ المحتار"، کتاب البیوع، مطلب: في تعریف المال والملك المتقوم، ج۷، ص۸)

نوٹ کا جزئیہ

محقق علی الاطلاق علامہ ابن الھمام "فتح القدیر"[1] میں فرماتے ہیں کہ "اگر کوئی اپنے کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو یہ بیع بلا کراہت جائز ہے"۔

("فتح القدیر"، کتاب الکفالۃ، قبیل فصل في الضمان، ج۶، ص۳۲٤)

---

[1]......فقہ حنفی کی مشہور کتاب "ہدایہ" کی شرح۔

اور اگر تحقیقی نظر سے دیکھا جائے تو بذات خود یہی قول کرنسی نوٹ کی اصل ہے [۱] جسے امام ابن ھمام-رضی اللہ عنہ-نے نوٹ ایجاد ہونے سے ۵۰۰ سال پہلے ہی پیش فرما دیا تھا، اور نوٹ بھی تو کاغذ کا وہی ٹکڑا ہے جو ہزار روپے میں بکتا ہے اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں، ایسی کرامات (Miracles) تو ہمارے علماء کرام-رحمہم اللہ-سے صادر ہوتی ہی رہتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا اور آخرت میں انکی برکات سے فیضیاب فرمائے......!

آمین......!

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ نوٹ بذاتِ خود ایک قیمت والا مال ہے اس کی خرید وفروخت ہوتی ہے، اور اسے ہبہ (Donate/Gift) کیا جاتا ہے، اور نوٹ میں وراثت (Inheritance) بھی جاری ہوتی ہے، نیز مال کے تمام احکامات بھی اس پر جاری ہوتے ہیں۔

نوٹ کے رسید ہونے کا مطلب

میں کہتا ہوں کہ یہ گمان بالکل غلط ہے کہ نوٹ تحریری اقرار نامہ کی طرح کوئی رسید ہے۔ رسید کا مطلب یہ ہے کہ جو گورنمنٹ اسے رائج کرتی ہے وہ نوٹ لینے والوں سے (سونا یا چاندی) کے روپے قرض لیتی ہے، اور انہیں ثبوت کے طور پر قرض کی مالیت کے نوٹ دے دیتی ہے اور جب وہ لوگ گورنمنٹ کو نوٹ واپس کر دیں تو گورنمنٹ انکا

۱......یعنی اسی ارشاد سے کرنسی نوٹ کے شرعی حکم کا پتا چل جاتا ہے۔

قرض واپس ادا کر دیتی ہے، اور اگر یہ لوگ عوام میں سے کسی کو یہ نوٹ دے دیں تو گورنمنٹ ان دوسروں سے قرض لے کر ان پہلے لوگوں کا قرض ادا کر دیتی ہے، تو وہ لوگ ان دوسروں کو بطور ثبوت یہ نوٹ دے دیتے ہیں تا کہ وہ ان نوٹوں کے ذریعے سے مقروض گورنمنٹ سے اپنا قرض وصول کرسکیں۔ اسی طرح سے قرض جتنے لوگوں کے ہاتھوں میں جائے گا قرض اور رسید کا تکرار (Repetition) ہوتا رہے گا، نوٹ کے رسید ہونے کے تو یہی معنی ہیں۔

حالانکہ ایک سمجھدار بچہ بھی یہ بات جانتا ہے کہ جو لوگ نوٹ کا لین دین کرتے ہیں ان میں سے کسی کے دل میں ان باتوں کا خیال تک نہیں آتا، اور نہ ہی کبھی اس لین دین سے قرض یا تحریری اقرار نامہ کا ارادہ کرتے ہیں، نیز آپ نے کسی بھی ایسے شخص کو نہیں دیکھا ہوگا جو لوگوں کو قرض دیتا ہو اور اپنے قرض کے رجسٹر میں اس شخص کا نام لکھے جس نے نوٹ دیکر اس سے چاندی کے روپے وصول کئے ہوں، اور اپنی زندگی بھر میں اس سے یہ کہا ہو کہ تم میرا قرض ادا کر کے اپنی رسید مجھ سے وصول کرلو، اور نہ ہی کسی ایسے شخص کو دیکھا ہوگا جو لوگوں کا مقروض ہو اور اپنے رجسٹر میں اس شخص کا نام لکھتا ہو جسے نوٹ دیکر اس نے روپے وصول کئے ہوں، اور مرتے وقت کہتا ہو کہ فلاں کا مجھ پر اتنا قرض ہے، اسے ادا کر کے میری رسید اس سے واپس لے لینا۔

وہ ظالم و بے باک لوگ جو اعلانیہ سود کھاتے ہیں اور قرض وصول ہونے تک سود کی ماہوار شرح مقرر کئے بغیر کسی کو ایک روپیہ بھی قرض نہیں دیتے، وہ لوگ بھی نوٹ لے کر چاندی کا روپیہ دیتے ہیں اور اس پر ایک پیسہ بھی زائد نہیں مانگتے، نہ مہینے کے بعد اور نہ ہی سال کے بعد۔ اگر وہ اسے قرض سمجھتے تو زائد رقم وصول کرنا ہرگز نہ چھوڑتے۔

پس حق یہ ہے کہ سب لوگ نوٹ سے لین دین اور خرید و فروخت ہی کا قصد کرتے ہیں، نوٹ دینے والا یقیناً جانتا ہے کہ میں روپے لے کر نوٹ اپنی ملک (Ownership) سے خارج کر چکا ہوں، اور نوٹ لینے والا یقیناً جانتا ہے کہ میں روپے دیکر نوٹ کا مالک (Owner) ہوگیا، اور وہ شخص نوٹ کو روپوں، اشرفیوں اور پیسوں کی طرح اپنا مال اور پونجی (Wealth) سمجھتا ہے، اور اسے جمع کر کے رکھتا ہے، اور ہبہ کرتا ہے، اور اس کے بارے میں وصیت (Will) کرتا ہے، اور اسے صدقہ کرتا ہے، اور لوگ اسے خرید و فروخت ہی سمجھتے ہیں، اور تجارت ہی کا قصد کرتے ہیں۔

یہ ایک طے شدہ اصول ہے کہ لوگوں کے معاملات میں ان کی نیتوں کا اعتبار ہوتا ہے؛ کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں ہی پر ہے، اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔

("صحیح البخاري"، کتاب بدء الوحي، باب کیف کان بدء الوحي إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ١، ج١، ص٦)

لٰہذا ثابت ہوا کہ لوگوں کے نزدیک نوٹ ایک قیمت والا مال ہے، اسے حفاظت سے رکھا اور جمع کیا جاتا ہے، اور لوگ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں، اس کی خرید وفروخت ہوتی ہے، اور اس پر قیمت والے مال کے تمام احکام نافذ ہوتے ہیں۔

کرنسی نوٹ کی اعلیٰ قیمتوں کا بیان

جہاں تک نوٹ کی اعلیٰ قیمتوں کا تعلق ہے، مثلاً ایک کاغذ کا ٹکڑا دس روپے کا، دوسرا سو روپے اور تیسرا ہزار کا، تو میں اس کے بارے میں یہ کہوں گا کہ ہم "فتح القدیر" کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ " کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار روپے میں بیچا جا سکتا ہے اور اس کے جائز ہونے کے لئے فقط خریدار اور فروخت کنندہ کا راضی ہونا ہی کافی ہے" پھر نوٹ کے تو کیا کہنے کہ جس کے طریقۂ استعمال پر تمام لوگ راضی ہوں، اور کاغذ کے ان ٹکڑوں کی یہ قیمت اپنی اصطلاح میں مقرر کر لیں، نیز گورنمنٹ اسٹامپ شرعِ مطہر کے نزدیک بھی قابلِ قدر ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر کسی شخص نے مہر والے چاندی کے دس روپے (Old Currency) چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، حالانکہ اگر کوئی شخص دس دِرہم کے وزن کے برابر چاندی جس پر مہر نہ لگی ہو اور اس کی قیمت دس درہم سے کم ہو چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا[1] جیسا کہ "ہدایہ" اور عامہ کتب

[1]...... گویا درہموں میں موجود چاندی جو دراصل ۱۰ درہم سے کم کی ہے لیکن مُہر لگنے سے اُس کم قیمت چاندی کی قیمت دس درہم مان لی گئی، اسی طرح کاغذ کے ایک ٹکڑے کی قیمت بالفرض ایک روپیہ ہے لیکن اس پر مُہر لگنے سے اس کی قیمت مثلاً ۱۰۰۰ روپے مان لی جائے تو یہ درست ہے اور اب شرع=

میں اس پر دلیل مذکور ہے۔

("الهداية" شرح في "بداية المبتدي"، كتاب السرقة، ج٢، ص٣٦٢)

اسی طرح سے ایک روپے (One Rupee of Silver) میں مہر والے جتنے پیسے (Stamped Coins) ہوتے ہیں اگر تم ان کے وزن کے برابر تانبا تولو، تو وہ ہرگز ایک روپے کی قیمت کا نہیں ہوگا، بلکہ بعض اوقات تو وہ تانبا اٹھنی (Coin of 50 paisa) کی قیمت کا بھی نہیں ہوتا، اور تم چاندی کے سکوں میں بھی ایسا تجربہ کر سکتے ہو۔ کچھ عرصہ پہلے ہمارے ملک میں چاندی کے دو روپے کی ہم وزن چاندی ایک روپے میں بکتی تھی اور جاہل لوگ اس میں پائے جانے والے سود کے وبال کو فراموش کر کے چاندی خریدتے تھے[1]، جب مہر لگنے سے چاندی کی قیمت دگنی ہوگئی تو اب دگنی اور چار گنا زیادتی سب برابر ہے، اور یہ بات بھی ہر عقلِ سلیم رکھنے والے پر ظاہر ہے کہ بعض اوقات کوئی حقیر شئے کسی وصف یا اضافی خوبی کی بنا پر اپنے جیسی ہزاروں چیزوں سے مہنگی اور زیادہ قیمتی

= کے نزدیک بھی اس کی قیمت ۱۰۰۰ روپے ہوگی، یعنی چاندی کی قیمت تو دس دراہم سے کم ہے لیکن اس کا وزن دس درہموں کے برابر ہے۔ تو اگر اس پر مُہر (Stamp) نہ لگی ہو تو اسے چُرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اگر مُہر ہو تو چونکہ مُہر کی وجہ سے اس کی قیمت دس درہموں کے برابر ہو جائے گی، لہٰذا اسے چُرانے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا؛ کیونکہ شرعِ مطہّر میں کم از کم دس درہم یا اس کی مالیت کے برابر شئے چرانے پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔

١...... اگر چاندی کو چاندی کے بدلے اور سونے کو سونے کے بدلے بیچا جائے تو ضروری ہے کہ دونوں وزن میں برابر ہوں اگر وزن میں کمی بیشی ہوگی تو شریعت میں سود (Usury) شمار ہوگی۔

ہوجاتی ہے، جیسا کہ بارہا ایسا ہوا کہ کسی کنیز کو دو لاکھ سے زائد قیمت میں خریدا گیا اور دوسری کنیز کو کوئی چاندی کے ۳۰ روپوں میں بھی خریدنے کو تیار نہیں، حالانکہ شرع میں اوصاف کی قیمت نہیں ہوتی بلکہ ذات (Infocus) کی ہوتی ہے، یہاں تک کہ اگر کنیز کے ہاتھ پاؤں جان بوجھ کر ہلاک نہ کیے جائیں تو وہ ثمن (Cost) ذات ہی کا ہے جس ثمن کو رغبتیں بڑھنے کے سبب اوصاف نے بڑھا دیا ہے۔

کتابت (Writting) مال نہیں

(اب مصنف-علیہ الرحمۃ- اپنے اس دعویٰ پر دلیل بیان کر رہے ہیں دعویٰ یہ ہے کہ کسی شے میں اگر کوئی خوبی پیدا ہوجائے تو اصل شے کی قیمت بڑھ جاتی ہے، چنانچہ کاغذ کے ٹکڑے پر جب (Stamp) لگ گئی تو اس کی قیمت کبھی سو، کبھی ہزار روپے تک ہوگی) چلیے یہ بتائیے کہ اگر کسی کاغذ پر ایک نادر و نایاب علم (Rare Knowledge) لکھا ہو اور کوئی اس علم کا قدر دان، اس کا طلبگار ہو، وہ اس کاغذ کو دس ہزار روپے میں خریدے، تو کیا اس نے کوئی خلاف شرع کام کیا؟ ہرگز نہیں، بلکہ جائز و حلال طریقہ کے مطابق عمل کیا، اور یہ بات قرآن عظیم اور امتِ مسلمہ کے اجماع سے بھی ثابت ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

﴿إِلَّآ أَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ﴾ (پ ۵، النسآء: ۲۹)

ترجمۂ کنز الایمان: " مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو"۔

اور یہ دس ہزار جو اس شخص نے ادا کیئے وہ اس لکھے ہوئے علم کی قیمت نہیں؛ کیونکہ وہ تو مال ہی نہیں (۱)، جیسا کہ "ہدایہ" اور ان دیگر کتب میں بھی اس کی تصریح موجود ہے جن میں مسائل کو دلائل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے،اور "ہدایہ" کی عبارت یہ ہے کہ " قرآن پاک چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اگر چہ اس پر سونا چڑھا ہوا ہو کیونکہ لکھائی کے اعتبار سے تو وہ مال نہیں،اور اس کی حفاظت تو الفاظ قرآنیہ کی وجہ سے کی جاتی ہے نہ کہ جلد، ورقوں اور سونے کے نقوش کی وجہ سے؛ کیونکہ یہ چیزیں تو الفاظ کے تابع ہیں،اور کسی قسم کے رجسٹر میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا؛ کیونکہ رجسٹر سے مقصود اس میں لکھی جانے والی تحریریں ہوتی ہیں اور وہ مال نہیں ہوتیں ،مگر حساب و کتاب کا رجسٹر چرانے کی صورت میں ہاتھ کاٹا جائے گا؛ کیونکہ اس میں جو لکھا ہوتا ہے وہ دوسرے کے کام کا نہیں ہوتا، لہٰذا اس چوری سے مقصود کاغذ ہی ہوتے ہیں" اور کاغذ مال ہے جس کے چرانے پر چوری کی حدّ کا نصاب پورا ہونے کی صورت میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

("الهداية"، كتاب السرقة، باب مايقطع فيه ومالا يقطع، ج۲، ص۳٦٤،۳٦٥، ملتقطاً)

۱......تو جس طرح کنیز کی قیمت میں خوبصورتی وغیرہ سے اضافہ ہو جاتا ہے اسی طرح کاغذ کی قیمت میں "عِلم" کی کتابت کی وجہ سے اضافہ ہو جاتا ہے، حالانکہ "خوبصورتی" اور "عِلم" شریعت میں "مال" نہیں، اسی طرح مُہر لگنے سے کاغذ کی قیمت میں اضافہ ہو گیا، مُہر شریعت کے نزدیک مال نہیں بلکہ ایک وصف ہے جو قیمت میں اضافہ کا سبب ہے۔

لہٰذا جب کاغذ کے ایک ورق کی قیمت اس تحریر کی وجہ سے دس ہزار تک پہنچ گئی تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے کہ نوٹ پر لکھائی کے سبب اس کی قیمت دس روپے یا زائد ہوگئی، اوراس وجہ سے لوگ اس کی طرف مائل ہوئے، شرع نے بھلا اس سے کب روکا ہے......!

مال (Property) کی چار اقسام اور ان کی فقہی بحث

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مسئلہ واضح و روشن ہے، بات دراصل یہ ہے کہ "بحرالرائق" وغیرہ کتب میں ہے کہ مال کی چار قسمیں ہیں۔

1۔ وہ مال جو ہر صورت میں ثمن ہی رہے، جیسے سونا اور چاندی یہ ہمیشہ ثمن ہی رہیں گے چاہے ان کو کسی شئے کے عوض بیچا جائے یا ان کے عوض کسی چیز کو بیچا جائے، اپنی جنس کے بدلے لین دین ہو یا غیر جنس کے بدلے، اہل عرف انہیں ثمن کہیں یا نہیں، جیسے سونے چاندی کے برتن وغیرہ، کہ یہ اس میں ہونے والی بناوٹ (Designing) کی وجہ سے خالص ثمن (Pure Money) نہ رہے، اسی لئے یہ عقدِ بیع میں متعین (Fixed) ہوجائیں گے، اوران کی بیع شرعاً بیعِ صَرف[1] ٹھہرے گی۔

(" البحر الرائق"، کتاب الصرف، قوله (هو بيع بعض الأثمان ببعض) ج٦، ص ٣٢١)

---

[1]......"بیعِ صرف" اس بیع کو کہتے ہیں جس میں ثمنِ خلقی (Real Money) کے عوض ثمنِ خلقی کو بیچا جاتا ہے جیسے سونے کے عوض سونا یا چاندی کے عوض چاندی بیچنا۔

اوراس میں بیعِ صَرف کی تمام شرائط جاری ہوں گی؛ کیونکہ سونا اور چاندی کو ثمنیت ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے،اوراللہ کی پیدا کی ہوئی چیز میں تبدیلی نہیں آتی۔

2۔ وہ مال جو ہر حال میں مبیع (Selling Good or Merchandise) رہے، جیسے کپڑے اور چوپائے؛ کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ فلاں چیز ان کے بدلے میں بیچی یا ان کو کسی بھی چیز کے بدلے بیچا جائے، وہ چیز کبھی بھی ذمہ پر دَین (قرض) ہوکر لازم نہیں ہوگی، اور ثمنیت کے معنی بھی یہی ہیں کہ وہ شئے ذمہ پر دَین ہوکر لازم ہو، لہٰذا یہاں یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ بیعِ مقایضہ میں دونوں متاع (Goods) ایک لحاظ سے ثمن ہوتے ہیں۔("رد المحتار"، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيان مايكون مبيعا...إلخ، ج٧، ص٥٧٤، ملخصاً)

علامہ شامی-علیہ الرحمۃ- نے علامہ طحطاوی کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اسی طرح کی توجیہ فرمائی ہے۔

میرے خیال میں یہاں ایک اعتراض ہوسکتا ہے وہ یہ کہ سونے سے بنائی گئی اشیاء، مثلاً برتن یا کنگن بھی ذمہ پر دین نہیں ہوتے، بلکہ عقد (Contract) میں متعین (Fixed) ہوجاتے ہیں (یعنی جن برتنوں یا کنگنوں کے عوض بیع ہوئی ہے وہی دینا ہوں گے) جیسے کہ "بحرالرائق" کے حوالے سے گزرا، لہٰذا اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو اس پر اعتراض وارد ہوگا، میرے نزدیک اس کا صاف جواب یہ ہے کہ بیعِ مقایضہ میں ہر شئے

مبیع ہوتی ہے، ثمنِ خالص نہیں ہوسکتی، اگرچہ ایک لحاظ سے ثمن بھی ہوتی ہے؛ کیونکہ بیع (Sale) کے لئے مبیع اور ثمن دونوں کا ہونا ضروری ہے، بخلاف آئندہ آنے والی قسم کے؛ کیونکہ وہ کبھی خالص ثمن ہوتی ہے اور کبھی خالص مبیع، ان دونوں قسموں کے معنی یہی ہیں کہ ان سے ان کا ثمن یا مبیع ہونا کسی حالت میں بھی جدا نہ ہوسکے، اگرچہ بعض اوقات اسے دوسرا رُخ بھی عارض ہوجاتا ہے، مصنف نے کپڑوں کی گزشتہ مثال کو مطلق رکھا اور شرح وحواشی میں بھی اس کے اِطلاق کو برقرار رکھا ہے، حالانکہ اس سے مراد وہ کپڑے ہیں جو مالیت میں برابر نہ ہوں، ورنہ وہ کپڑے تیسری قسم سے ہوں گے جبکہ ان کپڑوں کا ضبط (تعیّن) ہوسکے اور یہ ضبط یا تو جنس ذکر کرنے سے ہوگا مثلاً روئی، کتان یا کارخانے کے ذکر سے ہوگا، مثلاً شام ومصر کا کام، یا باریک یا موٹا ہونے سے، یا طول و عرض (لمبائی اور چوڑائی) کی پیمائش سے، یا وزن سے جبکہ وہ کپڑے تول کر بیچے جاتے ہوں (Quality) اور اسی تعین کی وجہ سے اس میں بیعِ سلم جائز ہے۔

3۔ وہ مال جس کی ذات میں ایسا وصف پایا جائے جس کے سبب وہ کبھی مبیع ہو اور کبھی ثمن بن جائے، میرا یہ کہنا "تنویر الابصار" کے اس قول کی طرح نہیں کہ ایک جہت سے ثمن ہو اور ایک جہت سے مبیع (Sold)،

("الدّ رالمختار"، کتاب البیوع، باب الصرف، ج۷، ص۵۷۵)

تاکہ مقایضہ والی بات کا اعادہ نہ ہوجائے (کیونکہ یہ بات تو دوسری قسم میں موجود ہے)

بلکہ میں نے اس قید (Restriction) "اس کی ذات میں کوئی ایسا وصف ہو جسکے سبب وہ کبھی مبیع ہو اور کبھی ثمن" کا اضافہ اس لئے کیا ہے تا کہ یہ مال کی چوتھی قسم سے خارج ہو جائے؛ کیونکہ وہ اپنے اندر پائے جانے والے وصف کی بنا پر نہیں بلکہ اصطلاح اور عدمِ اصطلاح کی بنا پر کبھی ثمن ہوتی ہے اور کبھی مبیع۔

اس تیسری قسم کے مال سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کو مثلی (Similar Things) کہتے ہیں (مثلی سے مراد وہ اشیاء ہیں جنہیں ناپ یا تول کر بیچا جاتا ہے، مثلاً گندم، کھجور، سونا، چاندی، اور مثلی کے مقابل قیمی اشیاء ہیں، اس سے مراد وہ اشیاء ہیں جو ناپ یا تول کر نہیں بیچی جاتیں، مثلاً کپڑا، جانور وغیرہ) ان کے خرید وفروخت کی دو صورتیں ہیں:

پہلی یہ کہ ان کی بیع سونے یا چاندی کے عوض کی جائے اس صورت میں یہ مثلی چیزیں مطلقاً مبیع ہوں گی، خواہ بیع میں عوض انہیں ٹھہرایا گیا ہو یا سونے، چاندی کو، اور یہ چیزیں معین ہوں یا غیر معین، مثلاً اگر تُو یوں کہے کہ میں نے یہ سونا اتنے مَن گیہوں کے عوض بیچا یا اس طرح کہے کہ اس گیہوں کے عوض بیچا (یعنی یا تو مقدار کا ذکر کر دے یا بیچی جانے والی شئے کو اشارہ کر کے متعین کر دے) تو گیہوں دونوں صورتوں میں مبیع ہے، اگر گیہوں معیّن (موجود) ہوں تو بیع مطلق ہوگی اور اگر غیر معیّن (یعنی خرید وفروخت کے وقت غیر موجود) ہوں تو بیعِ سلم ہوگی، اور اس میں سلم کی شرائط کا پایا جانا ضروری ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مثلی چیزوں کو سونے اور چاندی کے علاوہ کسی اور شئے

کے عوض بیچا جائے اس صورت میں اگر مثلی چیزوں کے عوض کسی چیز کو بیچنا کہا جائے تو یہ مثلی چیزیں ہر حال میں ثمن ہی رہیں گی، چاہے معیّن ہوں یا غیر معیّن، مثلاً کسی نے کہا کہ میں نے یہ کپڑا اتنے گیہوں یا اس گیہوں کے بدلے میں بیچا، گیہوں معیّن ہوں یا غیر معیّن دونوں صورتوں میں بیع مطلق ہوگی، اور وہ گیہوں ذمہ پر لازم ہو جائے گا، اور اگر یہ کہا جائے کہ میں نے مثلی چیز کو کسی شئے کے عوض بیچا تو اگر یہ چیز معیّن ہو تو ثمن ہے، مثلاً یوں کہا کہ میں نے یہ گیہوں اس کپڑے کے عوض بیچے (تو گیہوں ثمن ہیں) اور اگر معیّن نہ ہو تو مثلی چیزیں مبیع ہیں، مثلاً یہ کہا کہ میں نے اتنے من گیہوں اس غلام کے عوض بیچے (تو گیہوں مبیع ہیں) حالانکہ یہ صورت سلم کی شرائط پائے جانے کی وجہ سے بیعِ سلم ہے۔

اس **بحث کا خلاصہ** یہ ہے کہ مثلی چیزوں کو اگر سونے اور چاندی کے عوض بیچا جائے تو یہ مثلی چیزیں مطلقاً مبیع ہوں گی اور اگر سونے چاندی کے علاوہ کسی اور شئے کے عوض بیچیں تو اس کی تین صورتیں ہوں گی۔

(۱) اگر مثلی چیزوں کے عوض کوئی چیز بیچنا کہا تو یہ مثلی چیزیں مطلقاً ثمن ہوں گی۔

(۲) اور اگر مثلی چیزوں کو کسی شئے کے عوض بیچنا کہا جائے تو اگر یہ معیّن ہوں تو ثمن ہیں۔

(۳) اور غیر معیّن ہوں تو مبیع۔ اور یہ علامہ شامی۔ رحمہ اللہ۔ کے کلام کی وضاحت ہے، اس انداز کی وضاحت "فتاویٰ شامی" میں بھی نہیں۔

4۔ مال کی چوتھی قسم وہ ہے کہ حقیقت میں تو متاع (Chattels) ہو مگر رواج کے اعتبار سے ثمن ہو، جیسا کہ پیسے کہ جب تک چلتے رہیں گے ثمن کی طرح ہیں، اور جب ان کا چلن (Current) ختم ہوجائے گا تو یہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائیں گے (اور ان کی حیثیت محض دھات کے ٹکڑوں کی سی رہ جائے گی) اور بلاشبہ اہل اصطلاح جب کسی چیز کو ثمن قرار دینا چاہیں تو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس چیز کی ثمنیت کی مقدار (Quantity) مقرر کرنے میں ثمنِ خلقی (Real Money) کی طرف رجوع کریں؛ کیونکہ عارضی چیز کا قیام تو ذاتی ہی کے سبب سے ہوتا ہے، اسی لئے اہل اصطلاح چونسٹھ ۶۴ ہندی پیسے یا اکیس ۲۱ عربی ہللے (سکے) ایک چاندی کے روپے کے برابر قرار دیتے ہیں، اور انہیں یہ اختیار ہے کہ جو اصطلاح چاہیں مقرر کرلیں؛ کیونکہ اصطلاح مقرر کرنے میں کوئی روک ٹوک نہیں۔

۲۰ سال پہلے ہندوستان میں دو طرح کے سکے رائج تھے (۱) مُہر والا سکہ (۲) تانبے کے تکونی شکل والے لمبے ٹکڑے جو کہ وزن میں مُہر والے سکے سے ڈبل ہوتے تھے۔ مُہر والے پورے ۶۴ سکے چاندی کے ایک روپے کے برابر ہوتے تھے جبکہ تانبے کے ٹکڑوں والے سکے کی قیمت میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی، اور بعض اوقات تو ایک روپیہ اس قسم کے ۸۰ سکوں کے برابر ہوجاتا تھا، یہاں تک کہ ان سکوں کا رواج ختم ہوا اور ان کی ثمنیت (کرنسی ہونے) کی حیثیت بھی ختم ہوگئی اور یہ سب اصطلاح ہی کے سبب ہوا

اور شرعِ مطہرہ کی طرف سے (اصطلاح مقرر کرنے) میں کوئی روک ٹوک نہیں۔

اتنی تفصیل کے بعد یہ مسئلہ واضح ہوگیا کہ نوٹ مال کی اس چوتھی قسم میں سے ہے؛ کیونکہ حقیقۃً یہ کاغذ کا ٹکڑا ہونے کی وجہ سے متاع (محض سامان) ہے اور اصطلاح میں اس کے ساتھ ثمن کی طرح کا معاملہ کیا جاتا ہے، لہٰذا یہ اصطلاحی ثمن ہے اور جو رقم نوٹ پر لکھی ہوتی ہے وہ ثمنِ خلقی (Real Money) یعنی سونا، چاندی کے مقابلے میں نوٹ کی ثمنیت کی مقدار ہوتی ہے اور نوٹ کا ثمن (Currency) ہونا چونکہ ایک اصطلاح (Terminology) ہے، لہٰذا اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور نہ ہی اس کی توجیہ کا سبب دریافت کیا جائے گا۔

بحمداللہ الفتاح القدیر اس تقریر سے نوٹ کی حقیقت واضح ہوگئی، اور چونکہ نوٹ کے تمام احکام اسی حقیقت پر مبنی ہیں، لہٰذا اب ان شاءاللہ عزوجل کسی حکم کے اظہار میں کوئی دشواری رکاوٹ نہیں بنے گی۔

اور بے شک تمام خوبیاں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو ہر چیز کا نگہبان اور عظمتوں والا ہے۔

سوال ۱ :نوٹ مال ہے یا تحریری اقرارنامہ کی طرح کوئی سند؟

جواب :آپ کے سوال کا جواب تفصیل سے دیا جاچکا ہے مزید اضافہ کی ضرورت نہیں (یعنی نوٹ مال ہے اور گزشتہ چار اقسام میں سے چوتھی قسم کا مال)۔

سوال ۲ :جب یہ نوٹ زکوٰۃ کے نصاب (Minimum Amount of Property Liable for Paying Zakat) تک پہنچ جائیں اوران پر سال گزر جائے توان پرزکوٰۃ فرض ہوگی یانہیں؟

الجواب

جی ہاں......! زکوٰۃ کی شرائط پائی جائیں تو نوٹ پر زکوٰۃ واجب ہے؛ کیونکہ آپ جان چکے ہیں کہ نوٹ بذاتِ خود ایک قیمت والا مال ہے۔ دستاویز یا قرض کی رسید نہیں کہ جب تک نصاب کا پانچواں حصہ قبضہ میں نہ آئے ،زکوٰۃ واجب نہ ہو؛ کیونکہ قرض وغیرہ کی صورت میں جب تک نصاب کا پانچواں حصہ قبضہ میں نہ آئے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ،اورنوٹ میں تجارت کی نیت کی بھی حاجت نہیں ؛ کیونکہ فتویٰ اس بات پر ہے کہ ثمنِ اصطلاحی جب تک رائج رہیں گےان پرزکوٰۃ واجب ہے، بلکہ نوٹ سے تجارت کی نیت جدا ہو ہی نہیں سکتی ؛ کیونکہ لین دین کے بغیر ثمنِ اصطلاحی سے نفع لیا ہی نہیں جاسکتا اور یہ بات بالکل ظاہر ہے۔

"فتاویٰ علامہ قاری الہدایہ" میں ہے کہ فتویٰ اس بات پر ہے کہ "پیسے جب تک رائج رہیں گے ان پر زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ وہ دوسو درہم (ساڑھے باون تولے) چاندی یا بیس مثقال (ساڑھے سات تولے) سونے کی قیمت کو پہنچے ہوں"۔

("فتاوی قارئ الهداية"، مسألة في زكاة النقود، ص۲۹)

اور جو نوٹ زکوٰۃ کا سال مکمل ہونے سے پہلے ملے اسے اپنی جنس کے نصاب

یا قیمت لگا کر سونے چاندی سے ملا دیا جائے جیسا کہ تجارتی سامان کا حکم ہے۔

سوال ۳: کیا نوٹ کو مہر میں دینا درست ہے؟

الـــجـــــوابـــــــــــ

میں کہتا ہوں کہ اگر عقدِ نکاح کے وقت اس کی قیمت سات مثقال (دس درہم چاندی) کے برابر ہو تو اسے مہر میں دینا درست ہے؛ کیونکہ مہر میں دی جانے والی شئے کی مالیت کم از کم دس درہم ہونا ضروری ہے، اور اس کی وجہ آپ گزشتہ بیان میں جان چکے ہیں، اور اگر نوٹ کی قیمت کم ہو تو مزید نوٹ ملا کر چاندی کی مذکورہ مقدار کو پورا کیا جائے گا، جیسے سامان کو مہر رکھنے کی صورت میں کیا جاتا ہے۔

سوال ۴: اگر کوئی اسے محفوظ مقام سے چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہو گا یا نہیں؟

الـــجـــــوابـــــــــــ

جب چوری میں ہاتھ کاٹے جانے کی دیگر شرائط پائی جائیں تو نوٹ چرانے پر ہاتھ کاٹنا واجب ہے، میرا مطلب ہے کہ جب چور عاقل بالغ ہو، گونگا یا اندھا نہ ہو، اور نوٹ پوری حفاظت کی جگہ رکھا ہو، نیز چوری کے دن اور ہاتھ کاٹنے کے دن نوٹ کی قیمت مہر والے دس کھرے درہموں (Silver Coins) کے برابر ہو تو چور کا ہاتھ

کاٹا جائے گا؛ کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ نوٹ بذات خود ایک قیمت والا مال ہے، لہٰذا اس میں مال کے تمام احکام نافذ ہونگے۔

سوال ۵ :اگر کوئی شخص کسی کا نوٹ ضائع (Destruct/Lose) کردے تو بدلے میں نوٹ ہی دینا ہوگا یا چاندی کے روپے بھی دیئے جاسکتے ہیں؟

الجواب

اگر کوئی شخص کسی کا نوٹ ضائع کردے تو اسے اس کے بدلے میں نوٹ ہی دینا ہوگا اور ضائع کرنے والے کو چاندی کا روپیہ دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ نوٹ کا لین دین گن کر ہوتا ہے اور ایک ہی کرنسی کے ایسے دو نوٹ جن کی مالیت بھی برابر ہو، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا، (مثلاً دس روپے کے پانچ نوٹ وہی مالیت رکھتے ہیں جو پانچ روپے کے دس اور ایک روپے کے پچاس نوٹ) ہاں البتہ! جب کرنسی مختلف علاقوں کی ہو اگرچہ حکومت ایک ہی ہو تو اکثر اوقات مالیت میں فرق آجاتا ہے ؛ کیونکہ " الہ آباد" اور" کلکتہ " کا نوٹ" ہندوستان" کے شمال مشرقی علاقوں میں " بمبئی " کے نوٹ سے زیادہ چلتا ہے، اور اکثر اوقات ایک جگہ کا نوٹ دوسرے علاقے میں کچھ آنوں کی کمی سے لیا جاتا ہے، لہٰذا ان دو قسم کے دو نوٹوں کو برابر نہیں سمجھا جاتا جب تک دونوں کا چلن برابر نہ ہوجائے۔

سوال ۶ : کیا اس نوٹ کو چاندی کے روپوں، سونے کی اشرفیوں اور تانبے کے پیسوں کے بدلے بیچنا جائز ہے؟

الجواب

جی ہاں......! جائز ہے اور تمام ملکوں میں اس کا رواج بھی ہے اور تم اس کی تحقیق (Research) جان چکے ہو۔

پچھلے کلام میں جواب واضح ہو جانے کی بناء پر میں اسی جواب کو کافی سمجھا تھا مگر جب میں یہ رسالہ مکمل کر چکا تو مجھے بعض علماء یعنی فاضل حامد احمد محمد جدّادی -سلمہم اللہ- کی طرف سے یہ معلوم ہوا انہوں نے یاد دہانی کے لئے فرمایا کہ علامہ ابن عابدین -رحمۃ اللہ علیہ- نے "ردالمحتار" میں اس اصول "بیع منعقد ہونے کے لئے مبیع کا مالِ متقوم (Things with commercial value) ہونا شرط ہے" سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ روٹی کے ایک ٹکڑے کی بیع باطل ہے؛ کیونکہ بیع کے جائز ہونے کے لئے مبیع کی کم از کم قیمت ایک پیسہ ہونا ضروری ہے۔

("رد المحتار"، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة، ج۷، ص۱۳، ملتقطاً)

اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ کاغذ کے اتنے سے ٹکڑے کی قیمت ایک پیسہ بھی نہیں لہذا نوٹ کی بیع باطل (Null) ہونی چاہئے۔ باطل ہونے سے مراد یہ ہے کہ بیع اصلاً ہوئی ہی نہیں چہ جائیکہ ہم اسے حرام یا مکروہ قرار دیں۔

خرید و فروخت کے صحیح ہونے کیلئے مبیع کی قیمت کم از کم ایک پیسہ ہونا ضروری نہیں

تو میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہ جواب دیتا ہوں کہ ان عالم صاحب نے یہ بات میرے رسالے کا مطالعہ کرنے سے پہلے کہی تھی، کاش! وہ میرے رسالے کا مطالعہ کر لیتے اور اس کے مضامین پر مطلع ہو جاتے تو ان پر آشکار ہو جاتا کہ ان کے اعتراض (Objection) کا جواب تو خود ان کے اس قول کہ "یہ کاغذ کا ٹکڑا ایک پیسے کا نہیں" سے ہی ظاہر ہے؛ کیونکہ ان دونوں مسئلوں میں بہت فرق ہے، ایک یہ کہ کاغذ کا ٹکڑا ایک پیسے کا نہیں، دوسری یہ کہ ایک پیسے کا نہ تھا (مُہر وغیرہ لگنے سے پہلے) اس لئے کہ یہ کاغذ کا ٹکڑا علوم لکھے جانے کے بعد یا مُہر لگ جانے کے بعد اب سو روپے اور ہزار روپے کی قیمت کا ہے، اور اصول یہ ہے کہ " شَے کی موجودہ حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اصل میں کیا تھی"۔

مثلاً آپ کو معلوم ہے کہ کچی پکی مٹی کے چھوٹے بڑے برتنوں کی خرید وفروخت کا رواج مسلمانوں میں عام ہے اور کوئی اس کا انکار نہیں کرتا، حالانکہ ان برتنوں کی اصل (Reality) مٹی ہے اور مٹی مال نہیں، بلکہ

اگر اصل کا اعتبار کیا جائے تو خود پیسہ پر بھی اعتراض وارد ہوگا؛ کیونکہ آپ جان چکے ہیں کہ پیسہ تانبے کی جس پتری سے بنایا جاتا ہے اس پتری کی قیمت ہرگز ایک پیسہ

کے برابر نہیں ہوتی بلکہ ایک دھیلے (نصف پیسہ) کے برابر بھی نہیں ہوتی، اسی لئے کچھ بے باک قسم کے لوگوں کو جعلی پیسہ بنانے کی عادت ہوتی ہے، اور وہ ٹکسال کی طرح کا سانچہ (Die/Mould) بنا کر تانبے کو پگھلاتے ہیں اور پھر اس پگھلے ہوئے تانبے کو سانچے میں ڈال کر پیسہ بنا لیتے ہیں، اس کام میں ان کی جتنی رقم خرچ ہوتی ہے اس سے دگنا نفع انہیں حاصل ہو جاتا ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کام چاندی کے روپے بنانے سے زیادہ نفع بخش ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ اصل پر نظر کرنے سے خود پیسہ بھی ایک پیسہ کا نہیں لہٰذا پیسہ مالِ متقوم(Things with commercial value) نہ ہوا تو پھر یہ قیمت(Cost) اور ثمن کیسے ہو سکتا ہے؟

گزشتہ کلام میں ہم نے ایک عجیب وغریب نایاب علم (Rare Knowledge) سے منقش کاغذ کی مثال پیش کی تھی، اس پر غور کرنے سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اشیاء کی موجودہ حالت دیکھی جاتی ہے اور ان کی سابقہ حالت کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

کیا آپ نہیں جانتے کہ علماء کرام کی تعظیم شرعاً' عقلاً اور عرفاً لازمی ہے! حالانکہ اصل کے لحاظ سے علماء بھی انہی لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَاللّٰهُ أَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ أُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا﴾

(پ ١٤، النحل: ٧٨)

ترجمۂ کنزالایمان :"اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے پیدا کیا کہ کچھ نہ جانتے تھے"۔

لہٰذا علماء کی تعظیم ان میں پیدا ہونے والے اس علم کے وصف (Description) کی وجہ سے کی جاتی ہے جس کی وجہ سے انہیں خالق - عزوجل - اور مخلوق دونوں کے نزدیک وہ عزت حاصل ہوگئی جو پہلے حاصل نہ تھی، جب وہ کچھ نہ جانتے تھے تو جس طرح اس علم سے منقوش کاغذ کی قیمت اس میں لکھے گئے علم کی وجہ سے اتنی زیادہ ہوگئی بالکل اسی طرح نوٹ میں لکھائی اور اسٹامپ کی وجہ سے ایسی بات پیدا ہوگئی کہ لوگ نفع کی غرض سے اس کی طرف مائل ہوگئے اور اس کا لین دین کرنے لگے۔

مالیت کیلئے ضروری نہیں کہ وہ چیز ہر جگہ مال سمجھی جائے

نیز اس اعتراض کی کچھ حیثیت نہیں کہ:

"نوٹ تمام شہروں میں نہیں چلتا"؛ کیونکہ نوٹ کے قیمت والا مال ہونے کے لئے اس کا تمام شہروں میں چلنا کسی کے نزدیک بھی ضروری نہیں، بلکہ مُہر والی اکثر چیزوں کا یہی حال ہے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ یہاں "عرب شریف" میں چلنے والے سکے خمسے، عشرے اور ہللے "ہندوستان" میں بالکل نہیں چلتے! اسی طرح "ہندوستان" میں چلنے والے پیسے

یہاں "عرب شریف" میں نہیں چلتے، بخلاف نوٹ کے؛ کیونکہ ہندوستان کا نوٹ "عرب" میں بھی چلتا ہے، ہندوستانی نوٹ کا "عرب" کی کرنسی کے مقابلے میں کم قیمت میں بکنا، چلنے کی نفی نہیں کرتا، اور دوسرے شہروں میں نوٹ کا نہ چلنا، ان شہروں میں نوٹ کے چلن (Use) پر اثر انداز نہیں ہوتا جہاں نوٹ چلتا ہے، بلکہ اسی ذوالحجہ ۱۳۲۳ھ میں اس امان والے شہر "مکہ مکرمہ" میں پانچ سو کے انگریزی نوٹ کو میں نے خود ۳۳ اَشرفیوں اور پانچ روپے میں تبدیل (Exchange) کروایا، اور یہ رقم پانچ سو کے نوٹ کی پوری قیمت ہے؛ کیونکہ ۳۳ اَشرفیوں کی قیمت چارسو پچانوے ۴۹۵ روپے بنتی تھی، اور یہ چارسو پچانوے ۴۹۵ روپے ان پانچ روپوں سے ملکر پورے پانچ سو روپے ہوگئے۔

نیز فقہ کی مشہور کتاب "کفایہ" کے باب بیع الفاسد میں یہ مضمون موجود ہے کہ کوئی چیز مال اس وقت ہوتی ہے جب تمام یا بعض لوگ اسے مال قرار دیں۔

(" الكفاية "مع "فتح القدير"، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، ج٦، ص٤٣)

اسی طرح (فقہ کی دیگر مستند کتابوں) "فتح القدیر" اور "ردالمحتار" میں "بحرالرائق" اور "کشف کبیر" کے حوالے سے مذکور ہے کہ "مال وہ ہوتا ہے جس کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہو اور اسے ضرورت کے وقت کے لئے جمع کر کے رکھنا ممکن ہو، اور مالیت کے ثبوت کے لئے تمام یا بعض لوگوں کا اسے مال قرار دینا ضروری ہے"۔

("رد المحتار"، كتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك المتقوّم، ج٧، ص٨)

لہٰذا واضح ہوگیا کہ ایک پیسے سے کم قیمت کے مال کی بیع والا مسئلہ جو اُن عالم صاحب نے بطورِ دلیل پیش کیا ہے وہ ہمارے نوٹ والے مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں رکھتا، مگر یہ کمزور بندہ (امام اہلسنت علیہ الرحمۃ) پسند کرتا ہے کہ اس مسئلہ کو مزید واضح کر دے تا کہ کوئی دوسرا شخص اس مسئلہ سے کسی اور جگہ دھوکہ نہ کھا جائے؛ کیونکہ اس میں ایسی تنگی ہے جس نے شریعت کی وسیع کی ہوئی چیزوں کو بھی تنگ کر دیا ہے۔

لہٰذا میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں: اس مسئلہ کا ماخذ(Source) (فقہ کی ایک کتاب) "قنیہ" ہے "ردالمحتار" نے اسے "بحر" اور "بحر" نے اسے "قنیہ" کے حوالے سے نقل کیا ہے اور ان کے شاگرد علاّمہ غزی نے انکی پیروی کی، اور یہاں تک مبالغہ کیا کہ اس مسئلہ کو اپنے متن " تنویرالابصار" کی فصل متفرقات البیوع میں کتاب الصرف سے کچھ پہلے داخل فرمالیا، حالانکہ " تنویرالابصار" کے ماخذ "درر" و "غرر" میں اس کا ذکر نہیں ہے اور اس کے شارح علاّمہ علائی نے اسے " قنیہ" ہی کی طرف منسوب کیا ہے، بلکہ خود مصنف نے اس کی شرح "منح الغفار" میں اس بات کا اعتراف کیا ہے اور متن کی اس عبارت کے بعد فرمایا کہ یہ بھی "قنیہ" میں منقول ہے۔

("منح الغفار" شرح "الدّر المختار")

یعنی جیسا کہ اس سے پہلے بھی "قنیہ" میں ایک مسئلہ مذکور ہے کہ کبوتر کی بیٹ اگر کثیر ہو تو اسے بیچنا اور ہبہ کرنا جائز ہے۔

چند آداب افتاء

یاد رہے کہ "قنیہ" کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ اس کی روایات ضعیف ہوتی ہیں، اور علماء نے وضاحت فرمائی ہے کہ "قنیہ" جب مشہور کتابوں کی مخالفت کرے تو اس کا قول قابلِ قبول (Acceptable) نہ ہوگا، بلکہ یہاں تک کہا کہ "قنیہ" اگر قواعد کے خلاف مسئلہ بیان کرے تو قابلِ قبول نہیں جب تک اس کی تائید میں کوئی قابلِ اعتماد (Reliable) نقل (Reference) نہ پائی جائے، اور نقل میں ناقل (Reporter) کا نہیں بلکہ جس کے حوالے سے نقل کیا جائے اس کا اعتبار ہوتا ہے، اور ایک مسئلہ اگر متعدد علماء کسی ایک ہی حوالے سے لکھیں تو اس سے مسئلہ کا غریب ہونا (Strangeness) ختم نہیں ہوتا، جیسا کہ یہ تمام باتیں میں نے آدابِ مفتی (Rules of Muslim Jurist) کے موضوع پر لکھی جانے والی اپنی کتاب "**فصل القضاء في رسم الإفتاء**" میں ذکر کردی ہیں۔

اسی طرح سے "فتاویٰ ظہیریہ" میں ایک مسئلہ لکھا ہے کہ سجدۂ تلاوت کے بعد قیام کرنا بھی اسی طرح مستحب ہے جیسے سجدہ سے پہلے مستحب ہے، اس مسئلہ کو "ظہیریہ" کے حوالے سے "تاتارخانیہ" "قنیہ" اور "مضمرات" نے بھی نقل کیا ہے اور ان کتب کے حوالے سے یہ مسئلہ "بحر" اور "دُرَر" میں بھی مذکور ہے نیز "بحر" میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ یہ مسئلہ غریب (Stranger) ہے، علامہ شامی۔علیہ الرحمۃ۔ فرماتے

ہیں کہ اس مسئلہ کے غریب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صرف " ظہیریہ " ہی نے اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے، اسی لئے علماء متاخرین نے اس مسئلہ کو " ظہیریہ " ہی کی طرف منسوب کیا ہے۔

("رد المحتار"، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ج٢، ص٧٠٠)

"قنیہ" کے مسئلہ کا دلیل نقلی سے جواب

اور آپ جانتے ہیں کہ " قنیہ " کے پیسے والے مسئلہ کو اتنے علماء نے بھی نقل نہیں کیا جتنے علماء نے " ظہیریہ " کے مسئلہ کو نقل کیا ہے اور " قنیہ "، " فتاویٰ ظہیریہ " کے مقابلے کی کتاب بھی تو نہیں ہے، پھر اس سے غرابت کیسے دور ہو سکتی ہے۔ کاش! یہ مسئلہ صرف غریب ہی ہوتا تو حدیثِ شاذ (Irregular Tradition) کی طرح ہوتا مگر یہ تو کتبِ مشہورہ اور قواعدِ شرع کے خلاف ہونے کی وجہ سے حدیثِ منکر (Denied Hadith) کی طرح ہے، پہلی وجہ غرابت یعنی کتبِ مشہورہ کی مخالفت کے لئے تو اتنا ہی کافی ہے کہ " فتح القدیر "، " شرنبلالی "، " طحطاوی " اور " ردالمحتار " وغیرہ قابلِ اعتماد کتابوں میں ہے کہ " اگر کوئی شخص کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو جائز ہے "۔

("فتح القدير"، كتاب الكفالة، قبيل فصل في الضمان، ج٦، ص٣٢٤)

(جبکہ " قنیہ " میں خواہ مخواہ یہ شرط لگادی ہے کہ وہ مال کم از کم ایک پیسے کا ہو) اور اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے کہ مزید یہ کیا کہ کاغذ پر آخر میں " تائے وحدت " کا

اضافہ فرمادیا (یعنی کاغذۃً فرمایا) جس سے مراد ایک ہی کاغذ ہوتا ہے، نیز یہاں ایک عظیم اور ناقابلِ تردید (Irrefutable) بات بھی بیان کرتا چلوں کہ ہمارے جمہور ائمۂ متون وشروح اور ہمارے مذہب کے فتاویٰ کا اس بات پر اجماع واتفاق (Consensus) ہے کہ ایک چھوہارے کو دو چھوہاروں کے عوض اور ایک اخروٹ کو دو اخروٹ کے عوض بیچنا جائز ہے، نیز "فتح القدیر"، "درمختار" میں یہ اضافہ (Addition) بھی ہے کہ دو سوئیوں کے بدلے ایک سوئی بیچنا جائز ہے۔

("الدّر المختار"، كتاب البيوع، باب الرّبا، ج٧، ص٤٢٧)

حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی ایک پیسہ کی نہیں ہوتی۔

ہمارے "ہندوستان" میں ایک پیسے میں بہت سے چھوہارے مل جاتے ہیں، جبکہ یہاں "عرب شریف" میں تو چھوہارے مزید سستے ہیں اسی طرح سے اخروٹ بھی، اور وہ ہمارے "ہندوستان" میں عرب سے زیادہ سستے ہیں۔ نیز "ہندوستان" میں ایک پیسے کی ۸ سے ۲۵ سوئیاں مل جاتی ہیں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ "قنیہ" کا یہ مسئلہ جس میں مبیع کی کم از کم قیمت ایک پیسہ ہونا شرط ٹھہرایا گیا ہے تمام کتبِ مشہورہ اور ائمہء مذہب کی رائے کے خلاف ہے۔

امام محقق صاحبِ "فتح القدیر" نے اگرچہ امام محمد سے مروی امام معلّٰی کی اس روایت کو راجح قرار دیا ہے جس میں دو چھوہاروں کے عوض ایک چھوہارا بیچنے کو مکروہ کہا

گیا ہے، مگر یہ کراہت اس وجہ سے نہیں کہ چھوہارے کی قیمت ایک پیسے سے کم ہے بلکہ ایک طرف سے زیادتی کی بناء پر ہے، لہٰذا اگر برنی کھجور کا ایک چھوہارا جنیب کے چھوہارے کے عوض بیچا جائے تو اس کا تعلق امام معلیٰ کی روایت اورامام محقق کی ترجیح سے ہرگز نہ ہوگا؛ کیونکہ کسی جانب بھی زیادتی نہیں، بلکہ دونوں جانب چھوہارے برابر ہیں، اور ویسے بھی امام معلیٰ کی روایت میں تو اس بیع کو مکروہ (ناپسندیدہ) فرمایا گیا ہے، جبکہ تمہارا دعویٰ تو یہ ہے کہ بیع باطل ہوئی، یعنی بالکل ہی منعقد نہ ہوئی، تو اب تمہارا دعویٰ کہاں گیا؟

"قنیہ" کے مسئلہ کا دلیل عقلی سے جواب

جہاں تک دوسری وجہ غرابت یعنی قواعدِ شرع سے مخالفت کا تعلق ہے تو میں یہ کہوں گا کہ ہندوستان جو کہ اتنا وسیع ہے کہ اس کا عرض خطِ استواء سے شمال کی جانب ۸ درجے سے ۳۵ درجے تک ہے، اور طول گرین وچ لندن (Green Vitch London) سے مشرق کی جانب ٦٦ درجے سے ۹۲ درجے تک ہے، اس میں اکثر فقراء کی معیشت پیسہ کے حصوں دھیلہ (نصف پیسہ) چھدام (چوتھائی پیسہ) دَمڑی (نصف چھدام) وغیرہ سے خرید وفروخت کرنے پر قائم ہے، بہت سے لوگ سالن پکانے کے لئے دھیلے (نصف پیسے) کی سبزی خریدتے ہیں اس میں نصف پیسے کا تِلوں کا تیل ڈال لیتے ہیں چھدام (چوتھائی پیسے) کے تینوں مصالحے اور چھدام ہی سے لہسن اور پیاز نیز چھدام کا نمک لے کر سالن تیار کرتے ہیں اس طرح سے پونے دو پیسے میں انکا سالن

تیار ہوجاتا ہے، اوراسی سالن سے دووقت کا گزارہ کرتے ہیں۔

اسی طرح چراغ میں ایک دھیلہ (نصف پیسہ) کا تیل شام سے آدھی رات تک کے لئے کافی ہوتا ہے، اسی طرح سے میٹھے پانی کا بڑا مشکیزہ ایک دھیلے (نصف پیسہ) میں مل جاتا ہے جبکہ کچھ ہی عرصہ پہلے ایک دھیلے میں تین مشکیزے ملا کرتے تھے، ماچس کی ڈبیا بھی نصف پیسے میں مل جاتی ہے، نیز ہندوستان کا سب سے لذیذ پھل جسے عربی میں "عَنبْ" (عین کے فتح اورنون ساکن) فارسی میں "اَنبہ" اوراردو میں "آم" کہتے ہیں نصف پیسہ میں بہت سے مل جاتے ہیں۔

اسی طرح سے جامن اوراملیاں ایک چھدام (چوتھائی پیسہ) میں بہت سی مل جاتی ہیں، اورتمباکو والے پان کے عادی (Habitual) کے لئے ایک دھیلہ کے پان ایک چھدام کا کتھا، چھدام کا تمباکو اورایک چھدام کی چھالیہ ایک دن اوررات کے لئے کافی ہوتا ہے۔

اس طرح سے فقط سوا پیسے میں پان کے عادی کی حاجت پوری ہوجائے گی، اورحُقے کے عادی کے لئے ایک دھیلہ کا تمباکو کافی ہے۔اور بہت سی چیزیں بھی پیسوں کے حصوں ہی سے ملتی ہیں حتی کہ بعض چیزیں دَمڑی (پیسہ کا آٹھواں حصہ) اورنِصف دَمڑی (پیسے کے سولہویں حصے) میں بھی بکتی ہیں۔

لہٰذا اگر یہ خرید وفروخت جائز نہ ہوتو معاملہ نہایت پیچیدہ ہوجائے اورغریب

لوگوں کو نا قابلِ برداشت(Intolerable) مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا، اور یہ خرید وفروخت جو کہ ہزار ہا مسلمانوں میں جاری ہے اگر ہم اسے باطل قرار دے دیں اور ان پر یہ بات لازم کر دیں کہ کوئی چیز بھی ایک پیسہ سے کم قیمت میں ہرگز نہ خریدیں جبکہ ان کی ضرورت چھدام، اور دَمڑی وغیرہ سے پوری ہوجاتی ہے تو یہ گویا ان لوگوں پر بھاری بوجھ ڈالنے کے مترادف(Synonymous) ہوگا، حالانکہ شریعتِ مطہّرہ بوجھ ڈالنے کے لئے نہیں بلکہ بوجھ اٹھانے کے لئے آئی ہے، بلکہ اکثر اوقات ان لوگوں کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں ہوسکیں گے؛ کیونکہ جو سالن پہلے پونے دو پیسوں میں تیار ہو جاتا تھا اب دو آنوں سے کم میں نہ ہوگا، اور وہ پان جو پہلے سوا پیسے میں دن بھر کے لئے کافی تھے اب ایک آنہ میں ملیں گے، مزید اسی پر قیاس(Estimate) کرتے جائیں۔

آپ خود سوچیں اگر کسی کے پاس دو پیسوں سے زائد رقم نہ ہو اور آپ سالن پکانے کے لئے اس پر دو آنے خرچ کرنا لازم کر دیں تو وہ کیا کرے گا، روکھا آٹا پھانکے گا یا جو کی خشک روٹی چبائے گا، اور ایسا سالن نہ کھا سکے گا جو اس روٹی کو نگلنے کے قابل بنا کر اسے ہضم کرنے میں مدد دے، اور سالن کے عادی لوگ اگر سالن کھانا چھوڑ دیں تو سوکھی روٹی انہیں ہرگز راس نہ آئیگی اور وہ لوگ طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو جائیں گے؛ کیونکہ عادت کا چھوڑنا گویا اپنے آپ سے دشمنی مول لینا ہے۔

یا آپ یہ کہیں گے کہ وہ بھیک مانگے حالانکہ بھیک مانگنا ذلت کا کام اور

شریعت میں حرام ہے، یا ڈاکہ مارے مگراس پر بھی شریعت میں سخت سزا ہے، یا سبزی فروش تاجروں اور پانی بیچنے والے بہشتیوں کوحکم دیں گے کہ ان فقراء کی تمام ضروریات کی اشیاء انہیں مفت دے دیا کریں؛ کیونکہ ان اشیاء کی قیمت ایک پیسہ سے کم ہے اور جس چیز کی قیمت ایک پیسہ سے کم ہو وہ مال نہیں ہوتا اوراس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی ہے، لہٰذا انہیں مفت دے دیا کریں، اس بات پرتو تاجر بالکل راضی نہ ہونگے اوراگر راضی ہو بھی جائیں تو ایک فقیرکودوسرے پر ترجیح حاصل نہیں۔

لہٰذا اگر تاجر ہر فقیر کو اسکی ضرورت کی چیزیں مفت دے دیا کریں تو ان کی تجارت تو بے فائدہ ہوجائے گی ،لہٰذا ثابت ہوا کہ ہمارے پاس اس بیع (ایک پیسہ سے کم کی خریدوفروخت) کو جائز قرار دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں، اور بے شک قرآن پاک نے اسے جائزقرار دیتے ہوئے مطلق ارشادفرمایا کہ:

﴿أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ﴾ (پ۳، البقرة: ۲۷۵)

ترجمۂ کنزالایمان: "اللہ تعالٰی نے حلال کیا بیع کو"۔

اوردوسری جگہ فرمایا کہ

﴿إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ (پ۵،النسآء: ۲۹)

ترجمۂ کنزالایمان: " مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضامندی کا ہو"۔

اوربیع کو جائزقرار دینے سے ان برائیوں کا خاتمہ ہی تو مقصود تھا،لہٰذا اس حکم کو

مقید (Limited) کرنے سے وہی سابقہ برائیاں لوٹ آئیں گی، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مطلق (Unlimited) فرمایا ہے۔ محقق علی الاطلاق-رحمۃ اللہ علیہ- نے "فتح القدیر" میں فرمایا: "اگر بیع کو مبیع اور ثمن (Estimated Cost) دونوں کی تملیک (Ownership) کا سبب بنا کر جائز قرار نہ دیا جاتا تو انسان اس بات کا محتاج ہو جاتا کہ یا تو اپنی ضرورت کی چیزیں چھین لیتا یا بھیک مانگتا، ورنہ صبر کرتا یہاں تک کہ مر جاتا، مگر چونکہ ان سب باتوں میں کھلا فساد (Incorrectness) ہے، اور بھیک مانگنے میں جو رسوائی و خواری ہے وہ ہر آدمی برداشت نہیں کرسکتا؛ کیونکہ یہ عمل بندے کو رسوا (Disgrace) کر دیتا ہے، لہٰذا اس بیع کو جائز قرار دینے میں غریب مسلمانوں کی بقا اور احسن طریقے سے ان کی حاجات کی تکمیل ہے"۔

("فتح القدیر"، کتاب البیوع، ج٥، ص٤٥٥)

یہ تو معلوم ہی ہے کہ شرعِ مطہّر نے بیع کے سلسلے میں کوئی حد مقرر نہیں فرمائی، بلکہ مطلق خرید وفروخت کو حلال فرمایا ہے، اور بیع کا مطلب ایک مال کو دوسرے مال سے بدلنا (Exchange) ہے، اور مال کی تعریف تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ "مال وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور وقتِ ضرورت کے لئے اسے جمع کرنا ممکن ہو"، اور یہ تعریف یقیناً ان چیزوں پر پوری اترتی ہے جو ہم نے تمہیں بتائیں یعنی جن کی خرید و فروخت دھیلے اور چھدام وغیرہ کے بدلے میں ہوتی ہے۔

لہٰذا اگر ایک پیسہ سے کم میں خرید وفروخت نہ کرنے کو واجب کر دیا جائے تو یہ شریعت پر زیادتی ہوگی جو قابلِ قبول کیسے ہوسکتی ہے؟ پھر شاید کوئی یہ کہے کہ شریعت نے پیسے کی مالیت کی مقدار (Quantity) مقرر نہیں فرمائی اور پیسہ وقت وجگہ کے بدلنے سے بدل جاتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ہر جگہ اسی علاقے کا پیسہ معتبر ہو، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ بعض لوگوں کے کسی شئے کو مال بنانے سے بھی مالیت ثابت ہو جاتی ہے، لہٰذا دنیا کے سب سے چھوٹے پیسے کو تلاش کرنا واجب ہوا، حالانکہ اس میں حرجِ عظیم ہے اور شریعت حرج کو دور فرما دیتی ہے اور یہی بات غور طلب ہے۔

بے شک "کفایہ" کے باب البیع الفاسد کی ابتداء میں لکھا ہے کہ بعض اوقات کسی شئے کا قیمت والا ہونا بغیر مالیت کے بھی ثابت ہو جاتا ہے؛ کیونکہ گیہوں کا ایک دانہ (Grain) مال نہیں ہے لہٰذا اس کی بیع صحیح نہیں، اگرچہ اس سے نفع حاصل کرنا شرعاً جائز ہے؛ کیونکہ لوگ اسے مال نہیں سمجھتے۔

("الكفاية" معَ" فتح القدير"، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، ج٦، ص٤٣)

اسی طرح "کشف کبیر" و"بحرالرائق" و"ردالمحتار" میں ہے اور "فتح القدیر" میں ایک دانے کی جگہ چند دانے فرمایا اور ہم نے قابلِ اعتماد علماء سے کسی کے بارے میں نہیں سنا کہ وہ فرماتے ہوں کہ ایک پیسہ سے کم کی چیز مال نہیں ہے۔

مسئلۂ "قنیہ" کی ایک نفیس توجیہ

شاید "قنیہ" نے یہ مسئلہ اس بنا پر بیان کیا ہو کہ ان کے زمانے میں پیسے سے کم قیمت کوئی ثمن (Currency) نہ تھی یا صاحب "قنیہ" نے شرعِ مطہّر کے مقرر کردہ اندازے میں سے پیسہ سے کم کسی اور کرنسی کو نہ پایا تو یہ حکم لگا دیا کہ جو چیز پیسے سے کم کی ہے وہ کچھ نہیں، جیسے "فتح القدیر" میں "اسرار" کے حوالے سے منقول ہے کہ جو سونا اور چاندی رَتی بھر سے کم ہو اس کی کوئی قیمت نہیں۔

("رد المحتار"، كتاب البيوع، باب الرّبا، مطلب في الإبراء عن الرّبا، ج٧،ص٤٢٦)

کیونکہ ان علماء نے چاندی اور سونا کے لئے رَتی سے کم کسی پیمانے کو نہیں دیکھا تھا، جبکہ ہمارے علاقے میں اس کا پیمانہ (Measure) رتی کے آٹھویں حصے (ایک چاول) تک معروف ہے اور ہمارے علاقے میں آجکل چاول کے برابر سونے کی قیمت دو پیسے (عرب میں رائج سکہ ہللہ کے برابر) ہے اور بلاشبہ یہ سونا جو چاول کے برابر ہے قیمت والا مال (Valuable Property) ہے چہ جائیکہ اس سے زیادہ جو چوتھائی رَتی یا نصف رَتی اور اس سے زائد سونا ہو۔

نیز بہت سے علماء کرام فرماتے ہیں کہ جو چیز نصف صاع سے کم ہو وہ اندازے (Measurement) سے باہر ہے، لہٰذا اس صورت میں ایک چیز اپنی ہی جنس کے عوض کمی بیشی سے بیچنا جائز ہے، اور وہ مسئلہ کہ "ایک مٹھی (Hand Ful)

گیہوں دو مٹھی گیہوں کے بدلے بیچنا جائز ہے" اسی اصول کے تحت نکالا گیا ہے۔

جبکہ محقق نے "فتح القدیر" میں اس مسئلہ کا رد کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "اس پر دل مطمئن نہیں ہوتا۔ بلکہ جب سود کی حرمت لوگوں کے مال کی حفاظت کے لئے ہے تو واجب ہے کہ دو سیب کے بدلے ایک سیب اور دو مٹھی کے بدلے ایک مٹھی گیہوں بیچنا حرام ہو، اور اگر کسی علاقے میں نصف صاع سے چھوٹے پیمانے پائے جاتے ہوں (جیسا کہ ہمارے ہندوستان میں صاع کا چوتھائی اور آٹھواں حصہ بھی مقرر ہے) پھر تو اس زیادتی کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں، اور یہ کہنا کہ "شریعتِ مطہّرہ نے مالی واجبات مثلاً کفّارہ اور صدقۂ فطر میں جو پیمانے مقرر فرمائے ہیں ان میں نصف صاع سے کم کوئی پیمانہ (Measure) مقرر نہیں کیا"، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک مٹھی کے بدلے دو مٹھی بیچنے میں جو واضح فرق ہے اسے یکسر بے اثر کر دیا جائے"۔

("فتح القدير"، كتاب البيوع، باب الربوا، ج٦، ص١٥٢، ١٥٣،)

محقق صاحب کے اس کلام کو "بحر الرائق"، "نہر الفائق"، "شرنبلالیہ"، "درمختار" اور حواشی وغیرہ میں اسی طرح مقرر رکھا گیا، اور یہ بہت اچھا کلام ہے۔

اسی طرح ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جن چیزوں پر بھی مال کی تعریف صادق آتی ہے اگرچہ ان کی قیمت ایک پیسہ سے کم ہو وہ سب قیمت والے مال ہوں گے، لہٰذا ان کے ذریعے خرید و فروخت کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں، جیسا کہ گزشتہ کلام میں چند

چیزوں کا ذکر ہوا، لہٰذا اگر کسی علاقے میں پیسہ سے چھوٹی کرنسی رائج ہو، جیسا کہ ہمارے ہندوستان میں چھَدام (چوتھائی پیسہ) اور دَمڑی (پیسہ کا آٹھواں حصہ) رائج ہیں، نیز شرعِ مطہَّر میں پیسے سے کم قیمت کرنسی کا ذکر نہ ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ جو مالیت یقیناً ظاہر و بین (Certainly Apparent And Well Exposed) ہے اسے باطل کر دیا جائے، یہ میرے نزدیک تحقیق ہے، اور حقیقت کا علم تو میرے رب -سبحانہ وتعالیٰ- کے پاس ہے اور وہی سب سے زیادہ علم والا ہے۔

سوال ۷ :اگر نوٹ کے بدلے کپڑے خریدے جائیں تو یہ بیع مطلق ہوگی یا مقایضہ؟

الجواب

ہم بیان کر چکے ہیں کہ نوٹ ایک ثمنِ اصطلاحی ہے، لہٰذا اسے کپڑوں کے عوض بیچنا بیعِ مقایضہ (Barter Sale) (ایسی خرید و فروخت جس میں متاع (Chattel) کے بدلے متاع بیچا جائے) نہیں، بلکہ بیع مطلق ہوگی اور اس صورت میں کوئی معین نوٹ دینا ضروری نہیں، بلکہ معیَّنہ مالیت کا کوئی بھی نوٹ دیا جا سکتا ہے، جیسا کہ پیسوں کے لین دین میں ہوتا ہے۔

سوال ۸ : کیا اس نوٹ کو بطور قرض دینا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو قرض واپس کرتے وقت یہی نوٹ واپس کئے جائیں گے یا چاندی کے روپے بھی دیئے جاسکتے ہیں؟

الـــجـــــوابـــــــ

جی ہاں! نوٹ کو بطور قرض دینا جائز ہے؛ کیونکہ یہ مثلی (Similar) چیز ہے اور قرض واپس کرتے وقت مثلی چیز ہی دی جاتی ہے، بلکہ ہر قسم کے دین میں مثلی چیز ہی دی جاتی ہے، مگر جب لین دین کرنے والے کسی دوسری چیز کے لینے دینے پر راضی ہوجائیں (کسی دوسری چیز کے لینے دینے پر راضی ہونے سے مراد یہ ہے کہ قرض دیتے وقت اس کی شرط نہ لگائی گئی ہو۔ اگر نوٹ قرض دیتے وقت یہ شرط لگائی ہو کہ ادائیگی کسی اور جنس میں کی جائیگی تو ناجائز ہے۔ مثلاً سو کا نوٹ قرض دیا اور شرط لگالی کہ واپسی میں اتنی چاندی یا کپڑا دے دینا جتنا سو روپے میں ملتا ہے تو ایسی شرط ناجائز ہے، جیسا کہ اس کی تصریح امام اہلسنت نے" فتاویٰ رضویہ "، جلد ۸، صفحہ ۹۳ میں فرمائی ہے، بلکہ اس عبارت سے یہ مراد ہے کہ ادائیگی کے وقت قرض ادا کرنے والے نے کہا کہ میں سو کا نوٹ نہیں دے سکتا بلکہ اس قیمت کی چاندی یا ڈالرز یا پونڈز دینا چاہتا ہوں، پس اگر قرض وصول کرنے والا راضی ہوجائے تو جائز ہے) تو دوسری چیز بھی دی جاسکتی ہے۔

سوال ۹ : کیا کرنسی نوٹ کو چاندی کے روپوں کے بدلے میں ایک معیّن مدت (Fixed Term) تک بطورِ قرض بیچنا جائز ہے؟

الجواب

ہاں! جائز ہے بشرطیکہ نوٹ پر اسی مجلس میں قبضہ کرلیا جائے تا کہ دونوں اس حالت میں جدا نہ ہوں کہ دونوں پر ایک دوسرے کا دَین (Debt/Credit) ہو اور اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ اگر نوٹ کو چاندی کے روپوں کے بدلے بیچا جائے تو یہ خرید و فروخت پیسوں کو چاندی کے روپوں کے بدلے بیچنے کی طرح ہے، بیع صَرف نہیں، کہ اس میں دونوں طرف سے قبضہ کرنا شرط ہو؛ کیونکہ بیع صَرف ایسی بیع کو کہتے ہیں جس میں ثمنِ خلقی (یعنی سونا اور چاندی، خیال رہے کہ سونا اور چاندی کسی بھی شکل میں ہوں ثمنِ خلقی ہیں، نوٹ اور مروّجہ سکے ثمنِ اصطلاحی ہیں) کو ثمنِ خلقی (Real Money) کے بدلے میں بیچا جائے، بیعِ صَرف (Money Exchange) کی یہ تعریف "بحر الرائق" و "درمختار" وغیرہما میں مذکور ہے۔

("الدر المختار" في شرح" تنوير الأبصار"، كتاب الصرف، ج۷، ص ۵۵۲، ملخصًا)

اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ نوٹ اور پیسے کو ثمنیت کے لئے پیدا نہیں کیا گیا، بلکہ ان کا ثمن ہونا تو اس بنا پر ہے کہ لوگوں نے انہیں اپنے لئے اصطلاحی ثمن بنالیا ہے۔

لٰہذا یہ جب تک چلتے رہیں گے ثمن ہیں، اور جب ان کا چلن ختم ہوجائے گا تو یہ

متاع(Chattel) کی طرح کا مال ہو جائیں گے "ردالمحتار" باب ربا میں "بحر" سے، "بحر" میں "ذخیرہ" اور "ذخیرہ" میں مشائخ سے اس کے بیعِ صرف نہ ہونے کی تصریح منقول ہے، البتہ نوٹ کے ثمنِ اصطلاحی ہونے کی بنا پر دونوں جانب میں سے ایک کا قبضہ ضروری ہے، ورنہ یہ بیع حرام ہو جائے گی؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دَین کو دَین سے بیچنا ممنوع قرار دیا ہے، امام محمد نے "مبسوط" میں اس بات کی تصریح فرمائی ہے اور "محیط امام سرخسی"، "حاوی"، "بزازیہ"، "بحر"، "نہر"، "فتاویٰ حانوتی"، "تنویر"، "درمختار" اور "ہندیہ" وغیرہا میں اسی پر اعتماد کیا گیا ہے، اور امام اسبیجابی کے کلام کا بھی یہی مفاد(Gain) ہے، جیسا کہ علامہ شامی-رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ- نے ان سے بحوالہ "بحر" نقل فرمایا، "ہندیہ" میں "مبسوط" سے منقول ہے کہ "کسی نے چاندی کے روپوں کے بدلے ریز گاری خریدی، خریدار نے چاندی کے روپے ادا کر دیئے مگر بائع نے پیسے ادا نہ کیے تو یہ بیع جائز ہے"۔

("الفتاوی الهندية"، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر ...إلخ، الفصل الثالث في بيع الفلوس، ج٣، ص٢٢٤)

اسی "عالمگیری" میں "حاوی" وغیرہ سے منقول ہے کہ "اگر کسی نے ایک چاندی کا روپیہ سو پیسے میں خریدا اور روپے پر بائع نے قبضہ کر لیا لیکن خریدار کا پیسوں پر قبضہ نہ ہوا یہاں تک کہ پیسوں کا چلن جاتا رہا تو قیاس(Analogy) یہ ہے کہ بیع باطل

نہ ہوئی، اور اگر پچاس پیسوں پر قبضہ کر چکا تھا اس کے بعد ان پیسوں کا چلن جاتا رہا تو باقی پچاس پیسوں میں بیع باطل (Null) ہو جائے گی، اور اگر پیسوں کا چلن باقی رہے تو بیع فاسد نہ ہوگی اور خریدار باقی پیسے لینے کا حقدار بھی رہے گا"۔

("الفتاوى الهندية"، كتاب الصرف، الباب الثاني في أحكام العقد بالنظر ...إلخ، الفصل الثالث في بيع الفلوس، ج٣، ص٢٢٥، ملتقطاً)

نیز اسی "عالمگیری" میں "محیط سرخسی" سے بھی اسی طرح منقول ہے، اور یہ کہ "ذخیرہ" میں ہے "اگر چاندی کے روپے کے بدلے میں پیسے یا کھانا خریدا تاکہ وہ عقدِ صَرف نہ ہو اور بائع و مشتری (Seller and Purchaser) میں سے ایک نے حقیقۃً قبضہ کرلیا پھر دونوں جدا ہوگئے تو یہ صورت جائز ہے، اور اگر کسی جانب سے بھی حقیقۃً قبضہ نہ ہوا بلکہ صرف حکماً قبضہ ہوا تو یہ ناجائز ہے، چاہے وہ عقدِ صَرف ہو یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا عقد ہو، اس کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ زید کا بکر پر کچھ پیسہ یا غلہ قرض تھا، بکر نے انہی پیسوں یا غلے کو چاندی کے روپوں کے بدلے خرید لیا اور چاندی کے روپے دینے سے پہلے دونوں جدا ہوگئے، تو یہ بیع باطل ہوگئی، یہ مسئلہ یاد رکھنا نہایت ضروری ہے اکثر لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں"۔

("الفتاوى الهندية"، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز ...إلخ، الفصل الأول في بيع الدين بالدين، ج٣، ص١٠٢)

اسی "عالمگیری" میں "ذخیرہ" سے منقول ہے کہ "ایک شخص نے کسی کو چاندی کا روپیہ دیتے ہوئے کہا کہ نصف روپے کے اتنے پیسے دے دو بقیہ نصف روپے کی اٹھنی (چاندی کا آدھا روپیہ) دے دو تو یہ جائز ہے، پھر اگر پیسوں اور اٹھنی پر قبضہ کئے بغیر دونوں جدا ہوگئے تو پیسوں میں بیع برقرار ہے اٹھنی کے حصے میں باطل ہوگئی اور اگر روپیہ بھی نہیں دیا تھا ویسے ہی دونوں جدا ہوگئے، تو اٹھنی اور پیسے دونوں میں بیع باطل ہو جائے گی۔

("الفتاوٰی الھندیۃ"، کتاب الصرف، الفصل الثالث فی بیع الفلوس، ج۳، ص۲۲۵)

نیز "عالمگیری" میں "ذخیرہ" کے حوالے سے یہ بھی منقول ہے کہ پیسوں کے بدلے کوئی چیز خریدی اور پیسے دینے کے بعد دونوں جدا ہوگئے پھر بائع نے ان پیسوں میں ایک پیسہ کھوٹا پایا اسے واپس کر دیا اور دوسرا پیسہ لے لیا، تو اس صورت میں یہ پیسے اگر کسی متاع کی طے شدہ قیمت (Estimated Cost) تھے تو عقد (Contract) باطل نہ ہوا، خواہ اس نے تھوڑے پیسے واپس کئے ہوں یا زیادہ، اور ان کھوٹے پیسوں کے بدلے میں دوسرے پیسے لے لئے ہوں یا نہ لئے ہوں، اور اگر وہ پیسے روپوں کی طے شدہ قیمت (Estimated Cost) تھے تو اگر خریدار نے روپوں پر قبضہ کر لیا تھا پھر کھوٹا پیسہ واپس کیا گیا اور اس کے بدلے بائع نے کھرا پیسہ لیا یا نہ لیا دونوں صورتوں میں عقد بدستور صحیح ہے، اسی طرح اگر بائع نے تمام پیسے کھوٹے پائے اور واپس لوٹا دیئے اور ان کے بدلے میں کھرے پیسے لے لئے یا ابھی نہیں لئے تو اس صورت میں بھی بیع

درست ہی رہے گی اور روپوں پر قبضہ کرنے سے پہلے سب روپے کھوٹے پائے اور واپس دے دیئے تو امام اعظم -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- کے نزدیک بیع باطل ہوگئی، خواہ اسی مجلس میں بدل کر کھرے پیسے لے لئے ہوں یا نہ لئے ہوں، دونوں صورتوں میں بیع باطل ہے۔ جبکہ صاحبین [1] -رضی اللہ تعالیٰ عنہما- فرماتے ہیں: اگر اسی مجلس میں کھوٹوں کے بدلے کھرے پیسے لے لئے ہوں تو بیع درست رہے گی، اور اگر نہ لئے تو بیع باطل ہوجائے گی، اور اگر صرف کچھ پیسے کھوٹے پاکر واپس دیئے ہوں تو قیاس (Conjecture) یہی ہے کہ فقط اتنے پیسوں ہی میں بیع باطل ہو، مگر امام اعظم -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- بطور استحسان (استحسان، ایسے قیاسِ خفی (Secret Conjecture) کا نام ہے جو ظاہری قیاس کے مقابلے میں ہوتا ہے، مثلاً چیل کا گوشت حرام ہے، چنانچہ اس کے لعاب کا بھی یہی حکم ہے۔ پس اگر چیل دہ در دہ سے کم پانی میں سے پیئے تو اس پانی پر ناپاکی کا حکم ہونا چاہیئے؛ کیونکہ جب چیل پانی پیئے گی اس کی زبان پانی سے مس ہوگی، اور پانی ناپاک ہوجائے گا، مگر اس میں استحسان یہ ہے کہ چیل پانی اپنی چونچ میں لیتی اور پھر حلق سے نیچے اتارتی ہے۔ چنانچہ اس کے لعاب کے پانی میں شامل ہونے کا احتمال کمزور ہے، جبکہ اس کی چونچ ہڈی کی ہوتی ہے اور سوائے خنزیر کے تمام حیوانات کی

---

[1]......فقہ حنفی میں امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد -رحمہم اللہ- کو ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں، امام اعظم اور امام ابو یوسف -علیہما الرحمۃ- کو شیخین کہتے ہیں، امام اعظم اور امام محمد -رحمہما اللہ- کو طرفین جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد کو صاحبین کہتے ہیں۔

ہڈیاں پاک ہیں، چنانچہ پانی کی ناپاکی کا حکم نہیں دیا جائے گا) فرماتے ہیں کہ اگر واپس دیئے ہوئے پیسے تھوڑے ہوں اور اسی مجلس میں بدل لئے جائیں تو عقد اصلاً باطل نہ ہوگا اور اس تھوڑے سے کتنے پیسے مراد ہیں اس سے متعلق امام صاحب سے مختلف اقوال مروی ہیں، ایک قول میں ہے کہ نصف سے زائد کثیر ہیں اور اس سے کم قلیل، دوسری روایت میں ہے کہ نصف بھی کثیر ہیں، تیسری روایت میں ہے کہ تہائی سے زائد ہوں تو کثیر ہیں۔("الفتاوٰی الهندية "، كتاب الصرف، الباب الثاني، الفصل الثالث في بيع الفلوس، ج٣، ص٢٢٥،٢٢٦،ملتقطاً)

ہم نے "ذخیرہ" کے حوالے سے بکثرت نقول اس لئے ذکر کیں کہ عنقریب ایک نقل ایک پیسہ کو دو پیسوں کے بدلے میں بیچنے کے خلاف آئے گی، لہٰذا یہ بات یاد رہے کہ صاحب "ذخیرہ" نے ہمارے اس مسئلہ یعنی (پیسوں کو روپے کے بدلے بیچنے) کے بارے میں بہت سی جگہ جائز ہونے کا فیصلہ فرمایا ہے اور یہاں اس مسئلے کے خلاف کوئی بات بھی ذکر نہ فرمائی نیز " تنویر الابصار " اور " درمختار " میں ہے کہ " اگر کسی نے پیسوں کو پیسوں یا روپوں یا پھر اشرفیوں کے بدلے میں بیچا تو اگر ایک طرف سے قبضہ ہو گیا تو یہ بیع جائز ہے اور اگر کسی ایک کے بھی قبضہ کرنے سے پہلے دونوں جدا ہو گئے تو بیع جائز نہیں "۔

("الدر المختار" شرح "تنوير الأبصار"، كتاب البيوع، باب الرّبا، ج٧، ص٤٣٣)

الغرض مسئلہ ظاہر ہے اور اس کے بارے میں نقلیں وافر ہیں، اگرچہ علامہ قاری الہدایہ نے اپنے "فتاوی" میں اس کی مخالفت فرمائی ،اور دونوں جانب کا قبضہ (Custody from both sides) شرط فرمایا، اور کسی طرف سے بھی ادھار (Credit) ہونے کوحرام ٹھہرایا ہے،اس کی عبارت یہ ہے کہ "سوال: ایک مثقال سونا پیسوں کی ڈھیری کے بدلے اُدھار بیچنا جائز ہے یانہیں؟ جواب: پیسوں کوسونے یا چاندی کے بدلے ادھار بیچنا ناجائز ہے؛ کیونکہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ ایسی دو چیزیں جوتول کر بیچی جاتی ہوں (جیسے سونا، چاندی، تانبا) ان میں سے ایک کی دوسرے کے بدلے بیعِ سلم جائز نہیں، مگر جبکہ تول کر دی جانے والی ادھار چیز جو بذریعۂ سلم وعدہ پر لینی ٹھہری ہے مبیع ہو،ثمن کی قسم سے نہ ہو جیسے زعفران،اور پیسے جنسِ مبیع سے نہیں ہیں بلکہ انہیں ثمن بنالیا گیا ہے"۔ ("فتاوٰى قارئ الهداية"، مسألة في الرّبا، ص۲۸)

جب علامہ حانوتی سے پیسے کوسونے کے بدلے میں ادھار بیچنے کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے اس کا ردّ (Repulse) فرمایا اور جواب دیا کہ "یہ جائز ہے"۔ جبکہ دونوں میں سے ایک پر قبضہ ہو گیا ہو؛ کیونکہ "بزازیہ" میں ہے کہ "اگرایک روپے کے بدلے میں سو پیسے خریدے تو ایک طرف سے قبضہ ہو جانا کافی ہے" پھر فرمایا:"اسی طرح سونے اور چاندی کو پیسوں کے بدلے بیچنا جائز ہے" جیسا کہ "بحر" میں "محیط"

سے ہے، پھر فرمایا کہ "فتاویٰ قاری الہدایہ" کے قول سے دھوکہ نہ کھایا جائے۔

("رد المحتار"، کتاب البیوع، باب الرّبا، مطلب: في استقراض الدراهم عدداً، ج٧، ص٤٣٣) "نہر الفائق" میں اسی اعتراض کا یہ جواب دیا گیا کہ "فتاوی قاری الہدایۃ" کی یہاں بیع سے مراد بدلی یعنی بیعِ سلم (V.alivrer) ہے؛ کیونکہ پیسے ثمن سے مشابہت رکھتے ہیں، اور ثمن کی ثمن سے بیعِ سلم درست نہیں ہے اور اس حیثیت سے کہ پیسے اصل میں متاع (Chattel) ہیں چنانچہ ایک جانب سے قبضہ کر لینا کافی ہے۔

("رد المحتار"، کتاب البیوع، باب الرّبا، مطلب: في استقراض الدراهم عدداً، ج٧، ص٤٣٣)

میں کہتا ہوں کہ: ان کی دلیل سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ہمارے علماء نے تصریح کی ہے کہ جو چیزیں وزن کر کے بیچی جاتی ہیں ان میں بیعِ سلم جائز نہیں... الخ۔

مگر علامہ ابن عابدین نے "ردالمحتار" میں اسی کو کافی نہ جانا بلکہ مزید فرمایا کہ "علامہ قاری الہدایہ کا کلام" جامع صغیر" سے مفہوم کلام (دونوں طرف سے قبضہ شرط ہے) پر محمول ہے"۔("رد المحتار"، کتاب البیوع، باب الرّبا، مطلب: في استقراض الدراهم عدداً، ج٧، ص٤٣٣) مزید فرمایا کہ "اب "بزازیہ" کے مذکورہ مسئلہ سے اعتراض وارد نہیں ہوگا کیونکہ وہ اُس کلام پر محمول ہے جو امام محمد کی "مبسوط" میں ہے"۔

اور اس قول سے کچھ پہلے علامہ شامی -علیہ الرحمۃ- نے "بحر" و "ذخیرہ" کے حوالے

سے نقل کیا کہ:"امام محمد- رحمہ اللہ- نے" مبسوط" کی کتاب الصرف میں ایک پیسے کو دو معیّن پیسوں کے بدلے میں بیچنے کا مسئلہ ذکر فرمایا اور طرفین کے قبضہ (Custody From Both Sides) کو شرط قرار نہیں دیا، جبکہ "جامع صغیر" میں ایسی عبارت ذکر فرمائی جو قبضۂ طرفین کے شرط ہونے پر دلالت کرتی ہے، اسی لئے بعض مشائخ نے اس دوسرے حکم کو صحیح قرار نہیں دیا؛ کیونکہ بیع صَرف میں تعین کے ساتھ دونوں طرف کا قبضہ شرط ہے، جبکہ یہاں پیسوں کو چاندی کے روپے سے ادھار بیچنے کی صورت میں قبضۂ طرفین کے شرط ہونے کا حکم نہیں، اور بعض نے اسے درست قرار دیا؛ کیونکہ پیسے ایک جہت سے متاع کا حکم رکھتے ہیں اور ایک جہت سے ثمن کا، لہٰذا پہلی جہت کے سبب کمی بیشی جائز ہوئی، اور دوسری کے سبب قبضۂ طرفین شرط ہوا۔("رد المحتار"، كتاب البيوع، باب الرّبا، مطلب في استقراض الدراهم عدداً، ج۷، ص۴۳۳)

أقول وبالله التوفيق: علامہ شامی نے"بحر"اور"بحر"نے"ذخیرہ" کی اتباع کرتے ہوئے جو یہ کہا کہ " جامع صغیر" کا کلام دونوں طرف کے قبضہ کے شرط ہونے پر دلالت کرتا ہے، بندۂ ضعیف کو اس میں سخت تأمّل ہوا تو میں نے"جامع صغیر" کی طرف رجوع کیا تو اس کی عبارت یوں پائی:"امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پیٹ کی دو رطل چربی ایک رطل چکی کی چربی کے عوض یا دو رطل گوشت ایک

رطل چربی کو یا ایک انڈے کو دو انڈوں یا ایک اخروٹ کو دو اخروٹ یا ایک پیسے کو دو پیسوں یا ایک چھوہارے کو دو چھوہاروں کے عوض نقد دست بدست بیچا، اور دونوں معین ہوں تو یہ بیع جائز ہے، اور یہی قول امام ابو یوسف۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کا بھی ہے، جبکہ امام محمد۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔فرماتے ہیں کہ ایک پیسے کو دو پیسوں کے عوض بیچنا جائز نہیں، ہاں! ایک چھوہارے کو دو چھوہاروں کے بدلے بیچنا جائز ہے"۔ (الجامع الصغير)

یدا بید (دست بدست) کی تحقیق

بہرحال ان کا قول یعنی" دست بدست" ہی اصل دلیل ہے مگر علمِ فقہ میں مہارت رکھنے والے پر یہ بات عیاں ہے کہ یہ لفظ ("دست بدست") قبضۂ طرفین کے شرط ہونے پر نصّ صریح نہیں ہے (کیونکہ قبضۂ طرفین سے مراد یہ ہے خریدنے اور فروخت کرنے والے دونوں افراد ثمن اور مبیع پر قابض ہو جائیں) کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ ہمارے علماء کرام۔رحمہم اللہ۔نے سود والی مشہور حدیث میں" دست بدست" سے دونوں چیزوں کا معین ہونا مراد لیا ہے۔

جیسا کہ "ہدایہ" میں ہے کہ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ارشاد "دست بدست" کے معنی یہ ہیں کہ " دونوں جانب تعین ہو جائے" یعنی کسی طرف سے دَین (Financial Claim) نہ رہے، اور عبادہ بن صامت۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔نے اسی طرح روایت فرمایا۔ ("الهداية"، كتاب البيوع، باب الربا، ج۳، ص٦٣)

اور" دست بدست" کے معنی تعیّن کیونکر نہ ہو! حالانکہ ہمارے اصحاب نے فرمایا ہے کہ "قبضۂ طرفین فقط بیع صَرف میں شرط ہے اور جہاں تک اس کے علاوہ بُیوُع یعنی خرید وفروخت کی دوسری صورتوں کا تعلق ہے جن میں سود جاری ہوسکتا ہے ان میں فقط تعین شرط ہے" جیسا کہ "ہدایہ" وغیرہ میں ہے۔

("الهداية"، كتاب البيوع، باب الربا، ج٣، ص٦٢)

اور" تنویرالابصار" میں ہے کہ "جس مال میں سود کا احتمال ہو وہاں بیع صَرف کے علاوہ ہر قسم کی بیع میں فقط مال کے معین ہونے کا ہی اعتبار ہے، قبضۂ طرفین شرط نہیں"۔ ("تنوير الأبصار" مع"الدر المختار"، كتاب البيوع، باب الربا، ج٧، ص٤٣٠)

" درمختار" میں اس عبارت کی شرح میں فرمایا:" یہاں تک کہ اگر گیہوں کے بدلے گیہوں بیچے اور دونوں کو معین کر دیا اور قبضہ کئے بغیر جدا ہو گئے تو جائز ہے"۔

("الدر المختار "شرح" تنويرالأبصار"، كتاب البيوع، باب الربا، ج٧، ص٤٣٠)

لہٰذا اگر امام محمد۔ علیہ الرحمۃ۔ کے اس قول کو عبارتِ مذکورہ میں قبضۂ طرفین پر محمول کیا جائے اور اس سے مراد یہ لی جائے کہ پیسوں کے بدلے پیسے بیچنے کی صورت میں قبضۂ طرفین شرط ہے تو جن کے نزدیک یہ قید (Limitation) تمام مسائل کی طرف راجع (Inclined) ہے ان کے نزدیک کھجوروں انڈوں اور اخروٹوں کو آپس میں بیچنے کی صورت میں بھی قبضۂ طرفین کا شرط ہونا لازم آئے گا، مثلاً صاحب" نہرالفائق"

اور " درمختار " وغیرہما؛ کیونکہ ان تمام مسائل کو ایک ہی طریقے سے بیان کیا گیا ہے، خاص طور پر " جامع صغیر " کی عبارت میں؛ کیونکہ اس میں تو اس قید کو کھجور کی بیع کے بعد ذکر کیا گیا ہے اور پیسوں کی خرید و فروخت کا ذکر مذکورہ قید سے پہلے ہے، حالانکہ ائمہ میں سے یہ قول کہ " انڈوں یا اخروٹوں کی آپس میں بیع کے وقت قبضۂ طرفین شرط ہو " کسی کا بھی نہیں ہے، لہٰذا " یداً بید " کو تعین کے شرط ہونے پر محمول کرنا واجب ہے تاکہ امام محمد۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کا ارشاد کہ " معین ہوں " اس " دست بدست " کی تفسیر ہو جائے، ورنہ اس کلام کا کوئی فائدہ نہ ہوگا؛ کیونکہ قبضۂ طرفین میں تعین کی قید بلا وجہ کی زیادتی ہے، اس لئے بعد میں اس کا ذکر کرنا فضول ہے، لہٰذا جب امام برھان الدین مرغینانی صاحب " ہدایہ "۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ نے " جامع صغیر " سے اس مسئلہ کو نقل کیا تو " دست بدست " کا لفظ اس سے ساقط فرما دیا اور صرف تعین کا ذکر کیا۔

اور لکھا کہ " امام محمد۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ نے فرمایا: کہ ایک انڈہ دو انڈوں کے عوض ایک کھجور دو کھجوروں کے عوض اور ایک اخروٹ کو دو اخروٹ کے عوض بیچنا جائز ہے، نیز ایک پیسہ کو دو معین پیسوں کے عوض بیچنا بھی جائز ہے "۔

("الهداية"، كتاب البيوع، باب الربا، ج٣، ص٦٣)

لہٰذا روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ " جامع صغیر " کا کلام اس بات پر بالکل دلالت نہیں کرتا جسے ان اکابر علماء نے سمجھا، اور اگر فرض کر لیا جائے کہ " جامع صغیر " کا

کلام اس بات پر دلالت کرتا بھی ہے تو یہاں ایک ظاہر و ناقابلِ تردید احتمال (Irrefutable Doubt) بھی موجود ہے اور جس بات میں احتمال پیدا ہوجائے وہ حجت نہیں رہتی بخلاف "مبسوط" کی عبارت کے؛ کیونکہ وہ طرفین کے قبضہ کے شرط نہ ہونے میں نصّ ہے، اور کیسی زبردست نصّ ہے وہ آپ سن چکے ہیں، لہٰذا اسی پر اعتماد کرنا چاہیئے۔ اور توفیق تو اللہ عظمت والے بادشاہ ہی کی طرف سے ہے۔

یاد رہے کہ یہ کلام تو ہماری طرف سے علامہ شامی کے ساتھ ان کی روش پر چلنا تھا جس سے "جامع صغیر" کی مراد کو ظاہر کرنا مقصود (Intended) تھا، ورنہ حق تو یہ ہے کہ علامہ قاری الہدایہ کے فتویٰ کو اس بات کی حاجت نہیں کہ "جامع صغیر" کی عبارت کو طرفین کے قبضہ کے شرط ہونے پر محمول کیا جائے (۱) اور نہ ہی وہ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں (۲) اور نہ ہی انکا دعویٰ اس پر موقوف ہے؛ کیونکہ وہ تو ادھار کو حرام فرمارہے ہیں، اور ادھار کے حرام ہونے کے لئے مبیع وثمن (Sold thing and Estimated Cost) کا معین ہونا ضروری نہیں چہ جائیکہ قبضۂ طرفین ضروری ہو، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص ایک روپیہ نقد کے عوض کپڑا بیچے تو اس صورت میں نہ ہی ادھار ہے اور نہ

۱...... کیونکہ وہ (علامہ قاری الہدایہ) تو اسے بیع سَلَم (V.alivrer) مان رہے ہیں اور تم (علامہ شامی) اسے بیعِ صرف کہہ رہے ہو۔ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

۲......اس لئے کہ ثمن میں بیعِ سَلَم اصلاً جائز نہیں چاہے اس چیز میں ہو جس میں دونوں طرف کا قبضہ شرط ہے جیسے ثمن کے عوض ثمن کی بیعِ سَلَم، یا قبضۂ طرفین شرط نہ ہو جیسے ثمن میں مبیع کی بیع سَلَم۔ ۱۲ منہ رضی اللہ عنہ

مبیع وثمن معین ہیں (۱)۔البتہ اگر مبیع وثمن کومعین کیا جائے تو ادھار کا حرام ہونا لازم ہے ؛کیونکہ وعدہ شئے کو آسانی سے حاصل کرنے کی غرض سے کیا جاتا ہے اور معین چیز فی الحال حاصل ہوتی ہے،لہٰذا اگر" جامع صغیر" کی عبارت سے علامہ قاری الہدایہ کے لئے اس طرز پر استدلال (Reasoning) کیا جاتا تو اس کی ایک وجہ (۲) ہوتی اور

ا......مبیع اور ثمن کا معین ہونا اس وقت ضروری ہوتا ہے جبکہ ادھار نہ ہو،اور ادھار نہ ہونا ہی مبیع وثمن کے معین ہونے کو لازم ہے اور یہاں ایسا نہیں بلکہ بعض اوقات دونوں باتیں نہیں ہوتیں کہ نہ ادھار ہو نہ دونوں جانب معیّن چیزیں ہوں جیسے مذکورہ مثال میں۔۱۲ منہ رضی اللہ عنہ

۲......کہ وہ ان کے فتویٰ کے حکم یعنی ناجائز ہونے کی دلیل ہوا گرچہ یہ حکم بیعِ صرف کی وجہ سے ثابت ہوا بیعِ سلم کی وجہ سے نہیں۔"ہندیہ" میں "محیط" کے حوالے سے جو مسائل مذکور ہیں کہ غلہ قرض لینے والا اگر قرض خواہ سے وہ غلہ سو روپے میں خرید لے تو یہ جائز ہے جبکہ ایسا غلہ خریدے جو اس کے ذمے لازم ہوا ہو نہ کہ وہ غلہ جو قرض لیا تھا،اس صورت میں قیمت اسی جلسے میں ادا کرنا ضروری ہے ورنہ یہ بیع حرام ہوگی؛ کیونکہ عاقدین دونوں طرف ادھار کی حالت میں جدا ہوئے۔پھر فرمایا کہ روپے پیسے اور اشرفیوں کے قرض ہونے کی صورت کے علاوہ ہر ماپ تول کی چیز کا یہی حکم ہے۔

اس طرح انہوں نے پیسوں کو بھی روپوں اور اشرفیوں کی طرح ذمہ پر قرض ہونے والی چیزوں میں شمار کیا،لہٰذا ان کی خرید وفروخت ناجائز ہے اگرچہ قیمت اسی جلسہ میں ادا کر دی جائے، اور صحیح وہی قول ہے جسے ہم بحوالہ "ہندیہ"،"ذخیرہ" سے نقل کر چکے ہیں کہ بیع صَرف کے علاوہ ہر قسم کی بیع میں فقط یہ بات منع ہے کہ دونوں طرف میں سے کسی پر حقیقۃً قبضہ نہ کریں اگرچہ ایک پر حکمی قبضہ ہو جائے،مثلاً قرضہ اگر کسی کے ذمے ہو تو حکمی طور پر وہ قبضہ میں ہوتا ہے مگر جب مبیع یا ثمن میں سے ایک پر قبضہ ہو جائے تو جائز ہے،اسی طرح سے "ردالمحتار" میں "وجیز" کے حوالے سے منقول ہے غرضیکہ اس صورت کو بیعِ صرف قرار دینا اسے ہمارے عام علماء کے اس قول سے پھیرنا ہے جسے انہوں نے متعدد کتب میں نصّ فرمایا۔واللہ اعلم

اعتراضِ مذکور سے محافظت رہتی۔

اب میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں: کہ یہ بات تو تم پر ظاہر ہے کہ مبیع وثمن کا معین ہونا صرف اموال رِبا میں شرط ہے، اوراموال رِباصِرف دوقسم کی چیزیں ہیں (۱) جوناپ یا(۲) تول کر بیچی جاتی ہیں، جبکہ وہ چیزیں جن کی خرید وفروخت گنتی کر کے ہوتی ہے، اموالِ ربانہیں۔"فتح القدیر" وغیرہ کے باب السلم میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ بیعِ سلم صرف اموال رِبا میں منع ہے، جبکہ انہیں اپنی ہی جنس کے عوض بیچا جائے، اورگن کر بیچی جانے والی چیزیں اموال رِبا میں سے نہیں۔

("فتح القدير"، كتاب البيوع، باب السلم، ج٦، ص٢٠٨)

جیسا کہ " کنز" کے اس قول کی شرح میں کہ "جب دونوں نہ ہوں تو دونوں حلال ہیں"، کے تحت "بحر الرائق" میں فرمایا کہ یعنی "جب قدر (Weight And Measurement) وجنس (Spesies) دونوں نہ ہوں تو کمی بیشی اور ادھار دونوں حلال ہیں، لہٰذا"ہرات " کے بنے ہوئے ایک کپڑے کو"مرو"کے بنے ہوئے دو کپڑوں کے عوض بیچنا جائز ہے (ہرات اور مرو، دو مقامات کے نام ہیں) اسی طرح انڈوں کے عوض اخروٹ ادھار بیچنا بھی جائز ہے"۔

("البحر الرائق"، كتاب البيوع، باب الربا، قوله (وحلاً عدمهما) ج٦، ص٢١٥)

اورصاحب" کنز" نے جو یہ فرمایا کہ "بیعِ صرف کے علاوہ اموال رِبا میں تعین

کا اعتبار کیا جاتا ہے قبضۂ طرفین کا نہیں، تو اس کی شرح میں صاحب "بحر" نے فرمایا کہ اسکی وضاحت امام اسبیجابی کا یہ قول ہے کہ "جب ناپ کی چیز کو ناپ والی چیز کے عوض یا تول کر بیچی جانے والی چیز کو تول والی چیز کے عوض بیچا جائے خواہ دونوں کی جنس ایک ہی ہو یا دونوں کی جنس مختلف ہوں تو بیع کے جواز کے لئے مبیع و ثمن دونوں چیزوں کا معین ہونا شرط ہے چاہے وہ چیزیں وہاں حاضر ہوں یا غائب، البتہ عاقدین (Contractors) کی ملک میں ہونا چاہئیں"۔(" البحر الرائق " ، كتاب البيوع، باب الربا، قوله يعتبر التعيين دون التقابض...إلخ، ج٦، ص٢١٧)

پیسوں کی باہم بیع میں تعین کو واجب کرنے کی دلیل یہی ہے کہ اگر ایک معین پیسے کو دو غیر معین پیسوں کے عوض بیچا جائے تو بائع (Seller) کو اختیار ہوگا کہ وہ معین پیسہ اپنے پاس رکھ لے اور مشتری (Purchaser) سے دوسرا پیسہ طلب کرے، یا معین پیسہ مشتری کو دے کر پھر اسی پیسے کو ایک پیسے کے ساتھ اس سے واپس لے لے؛ کیونکہ اس صورت میں مشتری کے ذمے بائع کے دو پیسے واجب ہوگئے، لہٰذا بائع کا اپنا مال تو بعینہ اس کی طرف لوٹ آیا اور دوسرا پیسہ بلا معاوضہ رہ گیا۔

اسی طرح سے اگر دو معین پیسوں کو ایک غیر معین پیسے کے عوض بیچا جائے تو مشتری دونوں پیسے لے لے گا، اور اس کے ذمے جو ایک پیسہ لازم ہوا ہے اسے انہیں دو پیسوں میں سے بائع کو لوٹا دے گا، جبکہ دوسرا پیسہ معاوضے کے بغیر زائد رہ گیا جس کا وہ

عقدِ بیع (Sale Contract) کی وجہ سے حقدار ہوا، جیسا کہ "فتح القدیر" میں ہے اور اس کے مثل "عنایہ" وغیرہ میں ہے۔

("فتح القدير"، كتاب البيوع، باب الربا، ج٦، ص١٦٢)

اور پیسوں کے عوض چاندی کا روپیہ ادھار بیچنے میں یہ علت (Cause) جاری نہیں ہوسکتی، جیسا کہ پوشیدہ نہیں، تو اب نوٹ اور چاندی کے روپے میں یہ علت کیسے جاری ہوسکتی ہے جبکہ جنس اور قدر دونوں ہی واضح طور پر مختلف ہیں لہٰذا قاری الہدایہ کی عبارت کا بہترین محمل وہی ہے جو "نہر الفائق" میں ذکر کیا گیا ہے، اس صورت میں وہ امام محمد۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ سے مروی ایک روایتِ نادرہ پر مبنی ہوگی اور اس کا بیان عنقریب آئے گا، اور اگر اسے نہ مانا جائے تو کیا ہوا! وہ علامہ صاحب کا ایک فتویٰ ہی تو ہے جس کے ساتھ کوئی سند (Support) نہیں ہے، اور نہ اس فتویٰ میں اس سے پہلے کوئی انکا مستند (Deed) معلوم [1] نہ وہ اس پر کسی نقل سے سند لائے، اور علامہ شامی نے ان کے لئے جو تکلف کیا اس کا حال معلوم ہو چکا تو اس سے کیونکر معارضہ ہوسکتا ہے اس حکم [2] کا جس پر یہ اکابر علماء کرام متفق ہیں جن کے اسمائے گرامی اوپر مذکور ہوئے

ا......یعنی جو طریقہ علامہ شامی نے ذکر کیا ہے اس کے مطابق اگر اسے بیعِ صرف کی طرف پھیریں تو اس کے ضعف کا تمہیں علم ہے۔۱۲ منہ

۲......جو "مبسوط" سے منقول ہے کہ " کسی نے چاندی کے روپوں کے بدلے ریز گاری خریدی، خریدار نے چاندی کے روپے ادا کر دیئے مگر بائع نے پیسے ادا نہ کئے تو یہ بیع جائز ہے"۔

اوراس حکم کے معاملے میں ان کی دلیل "مبسوط" میں مذکورامام محمد کا قول ہے، اور بے شک وہی قولِ فیصل ہے۔

پھر یہ کہ علامہ قاری الہدایہ نے اس کے علاوہ جو ذکر کیا ہے اس میں ہمارے مذہب حنفی کے مسائل سے دو صریح بھُولیں (Two Clear Amazements) ہیں:۔

ایک بھُول تو اس بات سے جو ہمارے علماء کرام رحمہم اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ "پیسے اصطلاح (Terminalogy) کے سبب وزن کی چیز ہونے سے خارج ہو کر گنتی کی چیز ہو گئے"۔

اور دوسری بھُول اس سے جس پر ہمارے علماء کرام رحمہم اللہ نے نص فرمائی کہ "پیسوں کا ثمن ہونا بائع اور مشتری کی اپنی اصطلاح سے باطل ہو جاتا ہے، اور ثمنیت کے باطل ہونے سے پیسوں کی وہ اصطلاح جو ٹھہری ہوئی ہے کہ پیسے گنتی کی چیز ہیں، باطل نہیں ہوتی"۔

اور ان تمام باتوں کی "ہدایہ" وغیرہ میں وضاحت موجود ہے۔ "ہدایہ شریف" کی عبارت یہ ہے کہ:۔

"امام اعظم اور امام ابو یوسف ۔رحمہما اللہ۔ کی دلیل یہ ہے کہ کسی شئے کا بائع و مشتری کے حق میں ثمن ہونا ان کی اپنی اصطلاح سے ثابت ہوتا ہے؛ کیونکہ غیر کو عاقدَین پر ولایت (Guardianship) حاصل نہیں، لہٰذا وہ اپنی اصطلاح میں

ثمنیت کو باطل بھی کر سکتے ہیں، اور ثمنیت باطل ہوجانے کے بعد پیسوں کو معین کرنے سے پیسے معین بھی ہوجائیں گے، نیز ثمنیت باطل ہو جانے کے بعد پیسے تولنے والی چیز نہیں ہوں گے؛ کیونکہ اصطلاح میں ان کا گنتی والی شئے ہونا باقی ہے"۔

(" الهداية" في شرح "بداية المبتدي"، كتاب البيوع، باب الربا، ج٣، ص٦٣)

عنقریب ہم آپکو بتائیں گے کہ امام محمد۔ رحمہ اللہ۔ بھی بیعِ سلم میں ثمنیت کے باطل ہونے کو تسلیم کرتے ہیں، مگر انہوں نے بیع میں دلیل نہ ہونے کی وجہ سے اس کا انکار فرمایا، اس تفصیل سے اس مسئلہ پر ہمارے تمام ائمہ کا اجماع ثابت ہوا، لہٰذا اس صورت میں چاندی کے روپے یا سونے کی اشرفی کے عوض پیسوں کی بیعِ سَلم کرنا ثمن کی بیعِ سَلم (V.alivrer) نہیں اور نہ ہی اس صورت میں تول کردی جانے والی دو چیزوں کی بیع سَلم ہے، بلکہ تول والی چیز کے عوض گِن کر بیچی جانے والی چیز کی بیعِ سَلم ہے، جس کے افراد آپس میں مشابہت رکھتے ہیں، اور ہمارے علماء ۔ رحمہم اللہ تعالیٰ ۔ کا اجماع ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

الحاصل بندۂ ضعیف (امام اہلسنت علیہ الرحمۃ) علامہ قاری الہدایہ کے اُس فتویٰ کے صحیح ہونے کی کوئی وجہ نہیں جانتا، آپ غور کریں شاید اُن کے کلام کے لئے کوئی ایسی وجہ ہو جو میں اپنی کم فہمی (Ignorance) سے نہ جان پایا ہوں اور کیا عجب کہ ان

علامہ کثیر المعرفۃ - رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ - کی بہ نسبت میں ہی غلطی سے زیادہ قریب ہوں......!۔

پھر میں یہ کہتا ہوں کہ اگر ہم اسے تسلیم بھی کرلیں تو پھر بھی ہمیں یہ کہنے کا اختیار حاصل ہے کہ علامہ قاری الہدایہ صاحب کا بیان کردہ حکم پیسوں (سکّوں) ہی میں جاری ہوتا ہے، جبکہ نوٹ دراصل تول والی چیز نہیں ہے؛ کیونکہ کاغذ کے پرچے، عرف میں کبھی نہیں تولے جاتے[1]۔لہٰذا معیار (Measure) کاغذ کو شامل نہ ہوا، جیسے غلّہ سے ایک مٹھی اور سونے سے ایک ذرّہ کو شامل نہیں ہوتا، لہٰذا ہمارا یہ مسئلہ ہر حال میں مخالفت سے محفوظ ہے اور تمام خوبیاں تو اللہ بزرگی والے کے لئے ہی ہیں۔تحقیق ایسی ہی ہونی چاہئے اور توفیق دینے والا تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔

ا......اس بات کا تعلق امام اہلسنت کے زمانے کے عرف سے ہے، جبکہ ہمارے عرف میں کاغذ دونوں طرح سے بکتا ہے، یعنی تول کر بھی اور گن کر بھی۔ہاں! جہاں تک نوٹ کا تعلق ہے وہ اب بھی گن کر فروخت ہوتا ہے تول کر فروخت نہیں ہوتا۔اس کی واضح مثال عیدَین یا دیگر تہوار کے مواقع پر لوگ کڑک اور نئے نوٹوں کی دستیاں زائد رقم دیکر خریدتے ہیں اور یہ سارا معاملہ گن کر ہی ہوتا ہے، مگر خیال رہے کہ اگر نوٹ کو نوٹ کے عوض بیچا جائے تو کمی بیشی جائز ہے مگر ہم جنس یعنی کاغذ ہونے کی وجہ سے اُدھار نا جائز ہے۔

سوال ۱۰: کیا اس نوٹ میں بیعِ سلم جائز ہے؟

الجواب

جی ہاں! نوٹ میں بیعِ سَلم جائز ہے، لیکن بعض اوقات نوٹ کے ثمن (Money) ہونے کی وجہ سے اسے ناجائز بھی کہا جاتا ہیں؛ کیونکہ ثمن میں بیعِ سلم جائز نہیں اس کی تفصیل "نہرالفائق" کے حوالے سے پیچھے گزر چکی۔

پیسوں میں بیع سلم کے جواز کی تحقیق

مگر تحقیق یہ ہے کہ نوٹ میں بیعِ سلم کا بیان امام محمد- رحمہ اللہ تعالیٰ- سے مروی ایک روایتِ نادرہ پر مبنی ہے، ورنہ متون میں تو پیسوں میں بیعِ سَلم کے جائز ہونے پر نص ہے، ہاں! ثمنِ خلقی میں بیعِ سَلم جائز نہیں اور ثمنِ خلقی صرف سونا اور چاندی ہیں، ان کے علاوہ کوئی اور نہیں؛ کیونکہ بائع ومشتری سونا چاندی کی ثمنیت کو باطل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے، جبکہ ثمنِ اصطلاحی کی ثمنیت باطل کی جاسکتی ہے" تنویر الابصار" اور " درمختار" میں ہے کہ بیعِ سَلم ہر اس چیز میں جائز ہے جس کی صفت کا تعین ہو سکے، مثلاً اس چیز کا کھرا یا کھوٹا ہونا اور اس کی قدر (Weight And Measurement) کی پہچان ہو سکے، مثلاً ناپ والی چیز یا موزونی چیز۔

مصنف (علامہ شمس الدین تمرتاشی صاحب" تنویرالابصار") کے اس قول سے کہ " وہ چیز ثمن نہ ہوں" چاندی کے روپے اور سونے کی اشرفیاں بیعِ سَلم کے جواز سے نکل گئے؛ کیونکہ یہ دونوں ثمن ہیں لہٰذا ان میں بیعِ سَلم جائز نہیں، اس مسئلہ میں امام

مالک۔رحمۃ اللہ علیہ۔ کا احناف سے اختلاف ہے،"یا وہ گن کر بیچی جانے والی چیز ہو، تو ایسی ہو کہ اس کے افراد باہم قریب قریب ہوں، یعنی حجم (Size) میں زیادہ فرق نہ ہو، جیسے اخروٹ یا انڈے اور پیسے..... "الخ۔("الدر المختار" في شرح" تنوير الأبصار"، كتاب البيوع، باب السلم، ج٧، ص٤٧٩، ٤٨٠)

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ:"مصنف نے جو یہ فلس (پیسہ) کہا بہتر یہ ہے کہ فلوس (پیسے) کہتے؛ کیونکہ فلس واحد کا صیغہ ہے، اسمِ جنس نہیں ہے، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام محمد۔رحمہ اللہ تعالی۔ کا اختلاف ہے؛ کیونکہ وہ دو پیسوں کو ایک پیسے کے بدلے میں بیچنے سے منع فرماتے ہیں، مگر ان سے جو روایتِ مشہورہ مروی ہے اس کے مطابق یہ بھی امام اعظم۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔اور امام ابو یوسف۔رحمۃ اللہ تعالی علیہ۔کے ساتھ اس مسئلہ کے جائز ہونے پر متفق ہیں، اور انکا جو قول صاحبین۔رحمھما اللہ۔ کے مخالف ہے "نہر الفائق" وغیرہ میں منقول ہے۔

("رد المحتار" في شرح" الدر المختار"، كتاب البيوع، باب السلم، ج٧، ص٤٨٠)

شاید" نہر الفائق "نے یہ بات قاری الہدایہ کے فتویٰ کی تاؤیل کے لئے ظاہر کی تاکہ یہ بات ان کے فتویٰ کے لئے سند ہو جائے، اگرچہ نوادر میں ہی، چنانچہ اس قول کی بنا پر علامہ قاری الہدایہ کے فتویٰ پر اعتماد نہیں کیا جائے گا، نیز "ہدایہ" میں ہے کہ اسی طرح پیسوں میں بھی بیعِ سَلم جائز ہے، جبکہ گنتی کر کے دیئے جائیں اور یہ قول ہے

کہ "پیسوں میں بیعِ سَلم جائز ہے" امام اعظم اور امام ابو یوسف۔ رحمہما اللہ۔ کے نزدیک ہے جبکہ امام محمد۔ رحمہ اللہ تعالی۔ کے نزدیک ناجائز ہے؛ کیونکہ پیسے ثمن ہیں، شیخین کی دلیل یہ ہے کہ پیسوں کا ثمن ہونا بائع ومشتری کی اصطلاح کی وجہ سے ہے، لہٰذا پیسوں میں بیعِ سَلم کرنے کی صورت میں ان کی اپنی اصطلاح سے پیسوں کی ثمنیت باطل ہو جائے گی۔

("الهداية" في شرح" بداية المبتدي"، كتاب البيوع، باب السلم، ج٣، ص ٧١)

"فتح القدیر" میں ہے کہ پیسوں میں بیعِ سَلم جائز ہے، جبکہ گنتی کر کے ہو، امام محمد نے بھی اس قول کو "جامع" میں ذکر فرمایا، مگر کسی اختلاف کو ذکر نہیں فرمایا، اور یہی قول امام محمد سے روایتِ مشہورہ کے طور پر مروی ہے، جبکہ بعض علماء کرام نے فرمایا کہ یہ قول تو شیخین کا ہے، اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ ان کے نزدیک دو پیسوں کو ایک پیسے کے عوض بیچنا منع ہے؛ کیونکہ پیسے ثمن ہیں اور ثمن میں بیعِ سَلم جائز نہیں، مگر امام محمد سے مروی روایتِ مشہورہ میں ان کے نزدیک بھی پیسوں میں بیعِ سَلم جائز ہے اور امام محمد کے نزدیک بیعِ مطلق (Absolute sale) اور بیعِ سَلم میں یہ فرق ہے کہ بیعِ سَلم میں ضروری ہے کہ جو چیز بعد میں دینا قرار پائے وہ ثمن نہ ہو، لہٰذا جب بائع ومشتری پیسوں میں بیعِ سَلم کو منعقد کریں گے تو گویا انہوں نے ضمناً ان کی ثمنیت کی اصطلاح کو باطل کر دیا اور پیسوں کی بیعِ سَلم اسی طریقے سے جائز ہے جس

طریقے سے ان کا لین دین ہوتا ہے یعنی گن کر، بخلاف بیعِ مطلق کے؛ کیونکہ بیعِ مطلق تو ثمن پر بھی منعقد ہوسکتی ہے، لہذا بیعِ مطلق میں پیسوں کو ثمنیت سے خارج کرنے کا کوئی مُوجِب (Motive/Cause) نہیں، لہٰذا کمی بیشی جائز نہ ہوئی اور ایک پیسے کی دو پیسوں کے عوض بیع منع ٹھہری۔

("فتح القدیر"، کتاب البیوع، باب السلم، ج٦، ص٢٠٨،٢٠٩)

مگر میں کہتا ہوں کہ اس فرق پر ایک اعتراض (Objection) وارد ہوسکتا ہے ؛ کیونکہ امام محمد اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ فقط عاقدَین کے ارادہ کرتے ہی پیسوں کی ثمنیت باطل ہوجائے، حالانکہ باقی سب لوگ ان کے ثمن ہونے پر متفق ہیں۔ "ہدایہ" میں فرمایا کہ "امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایک پیسے کو دو معیّن پیسوں کے عوض بیچنا جائز ہے، اور امام محمد فرماتے ہیں کہ ناجائز ہے؛ کیونکہ پیسوں کا ثمن ہونا تمام لوگوں کی اصطلاح سے ثابت ہوتا ہے، لہٰذا فقط ان دو کی اصطلاح سے باطل نہیں ہوگا، نیز جب پیسوں کی ثمنیت باقی رہے تو وہ متعین نہیں ہونگے، تو یہ گویا ایک پیسے کو دو غیر معیّن پیسوں کے بدلے بیچنے اور ایک معین روپے کو دو معین روپوں کے بدلے بیچنے کی طرح ہوگیا اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ عاقدَین کے لئے ثمنیت انھی کی اصطلاح سے ثابت ہوتی ہے اور باطل بھی ان ہی کی اصطلاح سے ہوجائیگی"۔

("الهداية"، کتاب البیوع، باب الربا، ج٣، ص٦٣)

لہٰذا اگر یہ پیسوں کی ثمنیت باطل کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں، اور جب ثمنیت باطل ہوگی تو پیسے متعین ہوجائیں گے۔ محقق علی الاطلاق نے "فتح القدیر" میں امام ابو یوسف کی اس دلیل کو اسی طریقے سے مقرر رکھا، لہٰذا امام محمد کیسے فرما سکتے ہیں کہ عاقدَین کا پیسوں میں بیعِ سلم کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے ان کے ثمن ہونے کی اصطلاح کو باطل مان لیا ہے؛ کیونکہ ان کے نزدیک فقط عاقدین ثمنیت کی اصطلاح کو باطل نہیں کرسکتے جبکہ باقی لوگ پیسوں کو ثمن مانتے ہوں، مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام محمد کے اس قول کے ذریعے انکا پہلی علّت سے رجوع کرنا ثابت ہوتا ہے، حالانکہ وہ علّت امام محمد سے منقول نہیں، بلکہ مشائخ کی پیدا کردہ ہے تو اب اس فرق سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ امام محمد کے نزدیک وجہ وہ علّت نہیں ہے، بلکہ امام محمد بھی اس بات کے قائل ہیں کہ عاقدَین کو اپنے حق میں ثمنیت باطل کرنے (Nullify) کا اختیار ہے، مگر یہ ثمنیت اس وقت باطل ہوگی جب عاقدَین سے ثمنیت باطل کرنے کا ارادہ ثابت ہوجائے، اور بیعِ سَلم میں یہ ارادہ ضرور ثابت ہوجاتا ہے؛ کیونکہ اس بیع میں مُسلَم فیہ یعنی جو چیز بعد میں وعدہ پر لینا قرار پاتی ہے وہ کبھی ثمن (Money) نہیں ہوسکتی، لہٰذا اُن کا پیسوں میں بیعِ سَلم کرنا ہی اِن پیسوں کی ثمنیت باطل کرنے کی دلیل ہے جبکہ بیع میں یہ ارادہ ثابت نہیں ہوگا؛ کیونکہ اس میں مبیع کا غیرِ ثمن (Currency Less) ہونا ضروری نہیں، لہٰذا عاقدَین سے اصطلاحِ ثمنیت کو باطل کرنا ثابت نہ ہوا، تو پیسوں کا ثمن ہونا باقی رہا، لہٰذا

وہ متعین نہ ہوئے، اسی لئے بیع باطل ہوئی، اور کبھی کبھار اس مسئلہ میں امام محمد-رحمہ اللہ تعالی-کے قول کو بھی ترجیح دی جاتی ہے اسے خوب سمجھ لو(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال ۱۱ : کیا نوٹ کو اس کی مالیت سے زائد قیمت کے بدلے بیچنا جائز ہے؟ مثلاً بارہ کا نوٹ دس یا بیس کے نوٹ کے عوض بیچنا۔

الجواب

جی ہاں! نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہو اس سے کم یا زائد جس پر بیچنے والا اور خریدار دونوں راضی ہو جائیں اس قیمت میں بیچنا جائز ہے؛ کیونکہ پچھلے کلام میں گزر چکا ہے کہ نوٹ کی قیمت کی مقدار فقط لوگوں کی اصطلاح سے مقرر ہوئی ہے اور بائع و مشتری پر کسی غیر کو ولایت حاصل نہیں، جیسا کہ "ہدایہ" اور "فتح القدیر" کے حوالے سے گزرا، لہٰذا ان دونوں کو اختیار ہے کہ نوٹ کو مقررہ قیمت سے کم یا زیادہ جتنی قیمت میں چاہیں بیچیں، عقل مند کے لئے تو اتنا ہی جواب کافی ہے، میں نے کئی مرتبہ اسی موقف کے مطابق

۱...... یہ بات اس جواب کی طرف اشارہ ہے کہ عقد، صحیح کرنے کی ضرورت ہی اس پر کافی قرینہ ہے اور اس کا نفسِ عقد سے مفہوم ہونا ضروری نہیں، جیسے اگر کوئی چاندی کے ایک روپے اور سونے کی دو اشرفیوں کو چاندی کے دو روپے اور سونے کی ایک اشرفی کے عوض بیچے تو اس صورت کو جائز قرار دیا جائے گا اور جواز کا طریقہ یہ ہوگا کہ جنس (Species) کو غیر جنس کی طرف پھیر دیں گے حالانکہ نفسِ عقد میں جنس کے عوض جنس ہونے کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ نیز سود (Usury) کا شبہ گویا سود ہی ہوتا ہے لہٰذا عقد کو صحیح قرار دینے کا باعث یہی حاجت ہے اور ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔

فتوىٰ دیااور اکابر علماء ہند میں سے متعدد علماء نے بھی یہی فتوىٰ دیا، مثلاً فاضل کامل مولوی ارشاد حسین رامپوری- رحمۃ اللہ تعالی علیہ- وغیرہ اِس فتوىٰ میں مجھ سے صرف ایک شخص (مولوی عبدالحی لکھنوی) نے اختلاف کیا جنہیں اکابر علماء میں شمار کیا جاتا ہے مجھے ان کے اختلاف کی اطلاع ان کی وفات کے بعد اس وقت ہوئی جب کچھ مختصر اوراق اُن کے فتاویٰ کے نام سے چھپے، اگر ان کی حیات میں ان سے اس مسئلہ پر میرا تبادلہ خیال ہوتا تو امید تھی کہ وہ اپنے فتوىٰ سے رجوع کر لیتے؛ کیونکہ ان کی عادت تھی کہ اگر انہیں سمجھایا جاتا اور بات ان کی سمجھ میں آ جاتی تو وہ اپنے موقف سے رجوع کرلیا کرتے تھے، لہٰذا ہم اس مسئلہ کو قدرے تفصیل اور وضاحت سے بیان کرتے ہیں تا کہ حق کو قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہ رہے۔

جواز (Correctness) کی پھلی دلیل(۱)

لہٰذا پہلے میں یہ کہوں گا کہ ہمارے جمہور علماء کرام- رحمہم اللہ تعالیٰ- نے تصریح فرمائی ہے کہ سود (Usury) کے حرام ہونے کی علت اتحادِ جنس کے وقت ناپ تول میں کمی بیشی ہے، لہٰذا اگر قدر (Weight and Measurement) وجنس (Species) دونوں پائی جائیں تو زیادتی اور ادھار دونوں حرام ہیں، اور اگر قدر وجنس دونوں نہ پائی جائیں تو زیادتی وادھار دونوں حلال ہیں، اور اگر دونوں میں سے ایک پائی

ا......مولانا لکھنوی صاحب پر پہلا ردّ۔

جائے تو زیادتی حلال اور ادھار حرام ہے۔ یہ ایسا قاعدہ ہے جو کہیں نہیں ٹوٹتا اور سود کے تمام مسائل کا دار و مدار اسی قاعدے پر ہے، نیز یہ بات نہایت واضح ہے کہ نوٹ اور چاندی کا روپیہ نہ تو قدر میں برابر ہے، اور نہ ہی جنس میں، جنس میں تو اس لئے نہیں کہ نوٹ کاغذ کا ہے اور روپیہ "چاندی" کا جبکہ قدر میں اس لئے نہیں کہ نوٹ کا لین دین نہ تو ناپ کر کیا جاتا ہے، اور نہ ہی تول کر، بلکہ اس کا لین دین گن کر ہی کیا جاتا ہے۔

لہٰذا نوٹ کو زائد قیمت پر اور ادھار دونوں طرح سے بیچنا جائز ہیں، اس لیے کہ نوٹ سرے سے مال ربا یعنی ایسا مال ہی نہیں جس میں سود جاری ہو سکے۔ ہم عنقریب اس کی مزید تحقیق (Research) بیان کریں گے، ان شاءاللہ عزوجل

جواز کی دوسری دلیل(۱)

"ردالمحتار" وغیرہ میں فرمایا: جب جب زیادتی حرام ہوگی تو ادھار بھی حرام ہوگا اور اس کا عکس نہ ہوگا، یعنی یہ نہیں ہوگا کہ جب زیادتی حلال ہو تو ادھار بھی حلال ہو، اور جب جب ادھار جائز ہو تو زیادتی بھی حلال ہوگی، اور اس کا عکس نہ ہوگا یعنی یہ نہیں ہوگا کہ جب ادھار ناجائز ہو تو زیادتی بھی ناجائز ہو۔

("رد المحتار"، کتاب البیوع، باب الربا، مطلب في الإبراء عن الربا، قوله: (متفاضلاً) ج۷، ص۴۲۴)

اور ہم نویں سوال میں نوٹ میں ادھار کے جائز ہونے پر دلیلِ قطعی قائم

۱......مولانا لکھنوی صاحب پر دوسرا ردّ۔

کر چکے ہیں، لہٰذا نوٹ میں زیادتی کا حلال ہونا واضح ہو گیا، مزید تفصیل کا انتظار کرو۔

جواز کی تیسری دلیل[1]

سرکار صلی اللہ تعالیٰ علی وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

((جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو بیچو)) اس حدیث کو امام مسلم۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ نے حضرت عبادہ بن صامت۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ سے روایت کیا۔

("صحيح مسلم"، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الصرف وبيع الذهب...إلخ، رقم الحديث: ١٥٨٧، ص٨٥٦)

تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت کے بعد منع کرنے والا کون ہے؟

جواز کی چوتھی دلیل[2]

یہ تو ایسی روشن دلیلیں ہیں کہ بچے پر بھی مخفی نہیں، اب میں تمہارے سامنے ایک ایسی چیز بیان کروں گا جس سے تمہاری عقل میں کچھ شبہ پیدا ہوگا اور پھر میں حقیقت بیان کر کے اس شبہ کا ازالہ کر دوں گا۔

میں کہتا ہوں: ذرا یہ بتائیے کہ کیا آپ اور ہر عقل وفہم رکھنے والا نہیں جانتا کہ وہ چیز جس کی عام قیمت سب کے نزدیک دس روپے ہے ہر شخص کو اختیار ہے کہ خریدار کی مرضی سے اسے سو روپے میں بیچ دے یا ایک پیسہ کے بدلے میں دیدے! شریعتِ مطہرہ نے اس سے ہرگز منع نہیں فرمایا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

---

[1]......مولانا لکھنوی صاحب پر تیسرا ردّ۔ [2]......مولانا لکھنوی صاحب پر چوتھا ردّ۔

﴿اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ﴾ (پ ۵، النسآء: ۲۹)

ترجمۂ کنزالایمان: " مگر یہ کہ سودا تمہاری آپس کی رضا مندی کا ہو"

اور بیشک "فتح القدیر" کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ " اگر کوئی شخص کاغذ کے ایک ٹکڑے کو ہزار روپے میں بیچے تو جائز ہے، اوراس میں بالکل کراہت نہیں"۔

("فتح القدير"، كتاب الكفالة، قبيل فصل في الضمان، ج٦، ص٣٢٤)

نیز ہر شخص جانتا ہے کہ کاغذ کے ایک ٹکڑے کی قیمت ایک ہزار روپے ہرگز نہیں ہوسکتی، اور نہ ہی سو روپے ہوسکتی ہے بلکہ ایک روپیہ بھی نہیں ہوسکتی تو اس نوٹ کی اتنی بڑی قیمت ہونے کا سبب یہی ہے کہ قیمت اور ثمن جدا جدا چیزیں ہیں، اور بائع ومشتری پر قیمت (بازار کے ریٹ) کی پابندی ثمن (یعنی جو کچھ ان کے درمیان طے ہوا) میں ضروری نہیں، بلکہ ان دونوں کو اختیار ہے کہ چاہیں تو بازاری قیمت سے کئی گنا زیادہ قیمت پر رضامند ہوجائیں اور چاہیں تو قیمت کے سوویں حصے پر راضی ہوجائیں۔

لکھنوی صاحب کی طرف سے ایک شبہ

اگر تم یہ کہو کہ یہ تو متاع کا حکم ہے جبکہ نوٹ ثمنِ اصطلاحی ہے۔

اس کا پہلا جواب[1]

تو میں یہ کہوں گا اگر نوٹ ثمنِ اصطلاحی ہے تو کیا ہوا؟ تم نے اصطلاحی کہہ کر

1......مولانا لکھنوی صاحب پر پانچواں ردّ۔

خود ہی جواب ظاہر کردیا کہ دوسروں کی اصطلاح عاقدَ ین کو مجبور نہیں کرسکتی، چنانچہ تمہارا بیان کردہ فرق بیکار اور ضائع ہوگیا اور حق واضح۔

دوسرا جواب[1]

اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ عاقدَ ین نوٹ کی ثمنیت کو باطل نہیں کرسکتے تو یہ بتاؤ کہ تم نے یہ کہاں سے کہا کہ اصطلاحی ثمن کو مالیت کی مقررہ مقدار سے پھیرنا جائز نہیں؟ کیا آپ نہیں جانتے کہ ایک روپے کے پیسے عُرف کے معیّن کرنے سے ہمیشہ متعین رہتے ہیں، اور یہ بات ہر سمجھ دار بچہ بھی جانتا ہے کہ ایک روپیہ سولہ آنے کا ہوتا ہے، پندرہ یا سترہ آنے کا نہیں ہوتا، پھر یہ عُرفی تعیّن اور پیسوں کا ثمنِ اصطلاحی ہونا بائع ومشتری پر کمی بیشی حرام نہیں کرتا۔

نیز "تنویرالابصار" اور اس کی شرح "درمختار" میں ہے کہ اگر کسی نے صرّاف (Money Changer) کو چاندی کا ایک روپیہ دیا اور کہا: "اس کے بدلے مجھے آٹھ آنے کے پیسے دیدو اور ایک سکّہ دیدو جو اٹھنی سے رَتی بھر کم ہو" تو یہ بیع جائز ہے۔ روپے کی اتنی چاندی جو اس چھوٹے سکّہ کے برابر ہو وہ تو اس سکّہ کے عوض ہوجائے گی اور باقی چاندی کے عوض پیسے ہوجائیں گے۔

("الدر المختار" في شرح "تنوير الأبصار"، كتاب البيوع، باب الصرف، ج۷، ص۵۷۳،۵۷٤)

---

[1]......مولانا لکھنوی صاحب پر چھٹا ردّ۔

اور "ہدایہ" کی عبارت کچھ اس طرح سے ہے: "اگر کہا آٹھ آنے کے پیسے دیدو اور رتی کم اٹھنی تو یہ بیع جائز ہے"۔

("الهداية" في شرح "بداية المبتدي"، كتاب الصرف، ج٣، ص٨٦)

تیسرا جواب[1]

ثمنِ اصطلاحی سے اوپر سونا اور چاندی کی طرف چلیے کہ یہ اصل پیدائش میں ثمن (Real Money) ہیں، اور کوئی شخص ان کی ثمنیت باطل نہیں کرسکتا، نیز ہر عقلمند یہ جانتا ہے کہ سونے کی ایک اشرفی (One Gold Coin) ہمیشہ چاندی کے کئی روپوں (Many Silver Coins) کے برابر ہوتی ہے، اور کوئی اشرفی ہرگز چاندی کے ایک روپے کے برابر نہیں ہوتی، اس کے باوجود ہمارے ائمہ نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ ایک اشرفی کو چاندی کے ایک روپے کے عوض بیچنا درست ہے، اور اس میں اصلاً سود نہیں، اور اس کی علت (Cause) فقط یہ ہے کہ جب جنس مختلف ہو جائے تو کمی بیشی جائز ہو جاتی ہے، اور نوٹ اور چاندی کے روپوں کی جنس کا مختلف ہونا سوائے پاگل کے ہر ایک پر ظاہر ہے "درمختار" اور "ہدایہ" کی طرح دیگر کتب میں فرمایا کہ "سونے کی ایک اشرفی اور چاندی کے دو روپوں کو چاندی کے ایک روپے اور سونے کی دو اشرفیوں کے بدلے بیچنا درست ہے"۔ اس صورت میں ہر جنس کو جنسِ مخالف کے مقابل کر دیا جائے گا، اسی طرح چاندی کے گیارہ روپوں کو چاندی کے دس روپوں اور سونے کی ایک

---

[1]......مولانا لکھنوی صاحب پر ساتواں ردّ۔

اشرفی کے عوض بیچنا بھی درست ہے۔

("الدر المختار" في شرح" تنوير الأبصار"، كتاب البيوع، باب الصرف، ج٧، ص٥٦٣، ٥٦٤۔" الهداية" في شرح "بداية المبتدي"، كتاب الصرف، ج٣، ص٨٣)

"ردالمحتار" میں اس کی شرح میں فرمایا کہ "چاندی کے دس روپے تو دس روپوں کے عوض ہوجائیں گے اور گیارواں روپیہ ایک اشرفی کے عوض ہوجائے گا"۔

("رد المحتار"، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع المفضّض ...إلخ، ج٧، ص٥٦٤)

لہٰذا جب سونے کی ایک اشرفی کو جو عموماً چاندی کے پندرہ روپے کے برابر ہوتی ہے چاندی کے ایک روپے کے بدلے بیچنا درست ہے اور اس میں بالکل سود نہیں، تو دس کے نوٹ کو بارہ روپوں کے عوض بیچنے میں سود کیسے ہوگا؟ اگر اس میں بھی سود مانو تو یہ نرا بہتان ہے۔

ایک اعتراض کی تقریر

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ جو مسائل آپ نے بیان کئے ان صورتوں میں بیع اگرچہ درست ہے مگر مکروہ ہے اور مکروہ کام کا کرنا ممنوع ہوتا ہے، لہٰذا اگرچہ مکروہ کام کرنے سے وہ کام ہو تو جاتا ہے مگر حلال نہیں ہوتا۔ اسی طرح ان صورتوں میں بیع اگرچہ ہوجاتی ہے مگر حلال نہیں ہوتی۔

"ہدایہ" میں ہے کہ "اگر کوئی شخص چاندی کو چاندی یا سونے کو سونے کے عوض بیچے اور ایک طرف کمی ہو اور اس کمی کو پورا کرنے کے لئے اس میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کردے جس سے کمی پوری ہو جائے تو بیع بلا کراہت جائز ہے، اور اگر کمی پوری نہ ہو تو یہ بیع ہو تو گئی مگر مکروہ ہے، اور اگر اس اضافہ شدہ چیز کی کوئی قیمت نہ ہو، جیسے کہ مٹی کی کوئی قیمت نہیں ہوتی تو اس صورت میں بیع جائز ہی نہ ہوگی؛ کیونکہ اس صورت میں سود موجود ہے، اس لیے کہ جتنی زیادتی ایک طرف رہی، دوسری طرف اس کے مقابلے میں کچھ نہیں، لہٰذا اس صورت میں سود پایا گیا"۔

("الهداية "في شرح "بداية المبتدي"، كتاب الصرف، ج٣، ص٨٣)

اس کلام کو "فتح القدیر" اور دیگر شروحات اور "بحر" و "ردالمحتار" وغیرہا میں اسی طرح برقرار رکھا گیا، اور یہ بات تو واضح ہے کہ جب لفظِ "کراہت" مطلق بولا جائے تو اس سے کراہتِ تحریم مراد ہوتی ہے، بلکہ فاضل عبدالحلیم نے حاشیہ "درر" میں اس مسئلہ کو نقل کر کے اس کی تفصیل کو "فتح القدیر" کے حوالے کیا، اور کہا: جب آپ کو یہ مسئلہ معلوم ہو چکا تو سنو کہ سلطنتِ عثمانیہ میں جو یہ رائج ہے کہ ایک قرش (ترکی کی کرنسی کا ایک سکہ) کو ۸۰ عثمانی روپوں کے بدلے بیچا جاتا ہے؛ جائز نہیں؛ کیونکہ قرش مالیت میں زیادہ ہوتا ہے۔ ہاں! اگر روپوں کے ساتھ ایک پیسہ کا بھی اضافہ کر دیا جائے تو یہ خرید و فروخت جائز ہے مگر مکروہ ہے، لہٰذا محتاط لوگوں پر واجب ہے کہ وہ لین دین کے وقت

وزن برابر کرلیں یا پھر روپوں کے ساتھ اتنی قیمت والی چیز ملا لیں جتنی قرش میں روپوں سے زائد ہوتی ہے تا کہ کراہت سے بچ سکیں۔

("حاشية الدرر" لعبد الحليم)

جب انہوں نے کراہت سے بچنے کو واجب قرار دیدیا تو واجب کا خلاف مکروہ تحریمی ہوا اور مکروہ تحریمی گناہ ہوتا ہے، لہٰذا بیع کی یہ تمام صورتیں گناہ ہوئیں۔

میں یہ کہوں گا کہ میں نے آپ کے سامنے اس انداز میں اعتراض کی تقریر کردی کہ اگر آپ اپنی طرف سے اعتراض کرتے تو شاید اس سے بہتر اعتراض نہیں کر سکتے تھے، اور لیجئے اب......! وہاب۔ جل جلالہ۔ کی توفیق سے جواب سنیے۔

جــــواب

اول : آپ یہ بتائیے کہ کسی چیز کی خلقیت (پیدائش) اور اصطلاح (Terminology) کا فرق آپ کے ذہن سے کہاں چلا گیا؟ کیونکہ سونے کی مالیت کا چاندی کی مالیت سے کئی گنا زائد ہونا ایک خلقی امر ہے، جس میں کسی کے فرض کرنے یا مقرر کر دینے کو بالکل دخل نہیں اس لئے ایک روپے کے عوض ایک اشرفی کے لین دین کے وقت مالیت کی زیادتی ہر ایک کے ذہن میں آجائے گی بخلاف نوٹ کے؛ کیونکہ اگر اس کی قیمت دس روپے ہے تو یہ صرف لوگوں کی اصطلاح کی بناء پر ہے، ورنہ کاغذ بذات خود ایک روپے کا بلکہ روپے کے دسویں حصے کا بھی نہیں ہوتا۔ اگر آپ اصل کا لحاظ

کریں تو دس کا نوٹ دس روپے کے عوض بیچنے کی صورت میں بھی مالیت میں زیادتی ہے، اور اگر اصطلاح کو دیکھیں تو اصطلاح کا لحاظ بائع ومشتری پر ضروری نہیں، بلکہ یہ لوگ اصطلاح باطل بھی کر سکتے ہیں، جیسا کہ ہم آپ کو "ہدایہ" اور "فتح القدیر" کے اقوال سنا چکے۔ لہٰذا جب لوگوں نے نوٹ کو دس روپے کا قرار دے دیا حالانکہ یہ اصل میں شاید ایک ہی پیسے کا ہو۔ تو بائع ومشتری کو دس کا نوٹ دس سے کم یا زیادہ قیمت میں بیچنے سے کون منع کر سکتا ہے، چنانچہ اب اس مسئلہ کو کوئی آنچ نہیں جس میں ہم بحث کر رہے ہیں۔

دوم : ان کا کلام اس صورت میں ہے جب ایک جنس کے عوض اسی جنس کا لین دین ہو؛ کیونکہ اسی میں زیادتی ظاہر ہوتی ہے۔ کیا آپ نے "ہدایہ" کا یہ قول نہیں دیکھا کہ "جب چاندی کے عوض چاندی یا سونے کے عوض سونا بیچا، اور ایک طرف کمی ہے"۔

("الهداية" في شرح "بداية المبتدي"، كتاب الصرف، ج٣، ص٨٣)

اور یوں نہیں فرمایا کہ سونے کو چاندی سے بیچا اور نرخ معروف کے اعتبار سے ایک طرف مالیت کم ہے تو سونا اپنے برابر کے سونے کے برابر جب کیا جائے گا زیادتی ظاہر ہو جائے گی اور اس وقت عقل یہ تمیز کرے گی کہ وہ چیز جو کم چیز کے ساتھ ملائی گئی ہے اس زیادتی کی مقدار کو پہنچتی ہے یا نہیں، بخلاف اُس کے کہ نوٹ کو چاندی کے روپوں کے عوض بیچا؛ کیونکہ وہ دو مختلف جنسیں ہیں تو پھر زیادتی کیسے ظاہر ہوگی اور یہ فرع اس اصل کے مطابق کیسے ہوگی......؟!

سود کی تعریف

"فتح القدیر" میں علامہ محقق علی الاطلاق -رحمۃ اللہ علیہ- نے فرمایا: سود اُس زیادتی کا نام ہے جو عقدِ معاوضہ میں عاقدَین میں سے کسی ایک کے لیے مشروط ہو اور عوض سے خالی ہو۔

("فتح القدیر"، کتاب البیوع، باب الربا، ج٦، ص ١٥١)

اور آپ کو معلوم ہوگا کہ عوض سے خالی ہونا اس وقت ثابت ہوگا جب کسی شئے کا مقابلہ اسی کی جنس سے کیا جائے۔ اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔((جب دو چیزیں مختلف جنس کی ہوں تو جیسے چاہو بیچو))۔

("نصب الرایۃ لأحادیث الھدایۃ"، کتاب البیوع، ج ٤، ص٧)

یہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے اجازت ہے، وہی صاحبِ شرع ہیں، انہیں کی طرف رجوع اور انہیں کے ہاں پناہ ہے، لہٰذا جو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جائز کی ہوئی چیز کو منع کرے تو اس کا منع کرنا اسی کی طرف ردّ کیا جائے گا، اور اس کی بات ہرگز نہیں سنی جائیگی۔

سوم : جس بیع میں کم چاندی یا سونے کے ساتھ ملائی ہوئی چیز کی قیمت، زیادہ چاندی یا سونے کی مقدار کو نہ پہنچے، اس کا مکروہ ہونا صرف امام محمد -رحمہ اللہ تعالٰی- سے

مروی ہے، حالانکہ امام اعظم۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ نے جن کا قول مذہبِ حنفی میں سب سے مقدّم ہوتا ہے۔ تصریح فرمائی ہے کہ اس میں بالکل کراہت نہیں، محقق علی الاطلاق نے "فتح القدیر" میں اس مسئلہ کو ذکر کرکے فرمایا: امام محمد۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ سے عرض کی گئی آپ اِس کو اپنے نزدیک کیسا پاتے ہیں؟ فرمایا: "پہاڑ کی طرح گراں" حالانکہ امام اعظم ۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔سے اس کا مکروہ ہونا ثابت نہیں ہے، بلکہ "اِیضاح" میں یہ تصریح موجود ہے کہ امام اعظم۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔کے نزدیک اس صورت میں کوئی حرج نہیں۔

("فتح القدیر"، کتاب الصرف، ج٦، ص ٢٧١)

عنقریب اسی کے مثل "بحر" سے بحوالہ "قنیہ" ایک مسئلہ پیش کیا جائے گا جس میں امام بقالی۔ رحمہ اللہ۔ نے فرمایا کہ "اس صورت میں کراہت نہ ہونا امام اعظم اور امام ابو یوسف۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ دونوں کا مذہب ہے"، نیز "فتاویٰ عالمگیری" میں باب الکفالۃ سے کچھ پہلے امام سرخسی ۔رحمہ اللہ تعالیٰ۔ کی "محیط" کے حوالے سے امام محمد۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ کا قول نقل ہے کہ "اگر ایک روپے کو ایک روپے کے عوض بیچا اور ان میں سے ایک روپے کا وزن دوسرے سے زیادہ ہو، نیز کم وزن والے روپے کے ساتھ کچھ پیسے ملا دیئے تو یہ بیع جائز ہے مگر میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں؛ کیونکہ اس طرح سے لوگ اس کے عادی (Habitual) ہو جائیں گے اور ناجائز کاموں میں بھی اس پر عمل شروع کردیں گے، جبکہ امام اعظم۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج

نہیں؛ کیونکہ روپے میں پائی جانے والی وزن کی زیادتی کو پیسوں کے مقابل کردینے سے اس بیع کو درست قرار دینا ممکن ہے"۔

("الفتاوى الهندية"، كتاب البيوع، الباب السادس في المتفرقات، ج٣، ص ٢٠١)

الحاصل امام اعظم۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔سے یہ روایت مشہور ومعروف ہے اور یہ تو سب کو معلوم ہے کہ عمل اور فتویٰ ہمیشہ امام اعظم۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔کے قول پر ہوتا ہے، مگر ضرورت کے تحت جیسے مسلمانوں کا عمل امام کے قول کے خلاف ہوجائے تو صاحبین وغیرہما۔رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔کے قول پر فتویٰ دے دیا جاتا ہے، اور اس بات کی تحقیق ہم نے "العطايا النبويه في الفتاوىٰ الرضويه" کی کتاب النکاح میں اتنی تفصیل سے بیان کردی ہے جس پر زیادتی کی گنجائش نہیں۔

چہارم: سب سے روشن وحق بات یہ ہے کہ یہ کراہت [1] صرف کراہتِ تنزیہی ہے۔کراہت کے مطلق ذکر سے دھوکہ نہ کھایئے گا؛ کیونکہ فقہاء اکثر کراہت کو مطلق ذکر کرتے ہیں اور اس سے وہ معنی مراد لیتے ہیں جو کراہتِ تنزیہی اور تحریمی دونوں کو شامل

ا...... اقول: محمد اور تو نے کیا جانا کون محمد.....! ارے وہ محمد جو علماء کے سردار اور مذہبِ مستقیم کی تحریر وتلخیص فرمانے والے ہیں، وہ "جامع کبیر" میں (جو کہ کتب ظاہر الروایۃ میں سے ہے) فرماتے ہیں: جب کھوٹے روپے مختلف قسم کے ہوں کسی میں دوتہائی چاندی ہو، کسی میں دوتہائی پیتل کسی میں نصف چاندی، ان میں سے ایک قسم کے روپے کو دوسری قسم کے روپے کے عوض کم یا زیادہ قیمت پر بیچنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ لین دین ہاتھوں ہاتھ ہو؛ کیونکہ اس صورت میں ایک کھوٹے روپے کی=

=چاندی کو دوسرے کھوٹے روپے کے پیتل، اور پہلے کے پیتل کو دوسرے روپے کی چاندی سے بیچنا قرار دیا جائے گا۔ ہاں البتہ! ادھار بیچنا جائز نہیں؛ کیونکہ دونوں میں وزن پایا جارہا ہے جو کہ سود (Usury) کی دو علتوں (Causes) سے ایک علت (Cause) ہے اور دونوں ثمن (Money) بھی ہیں، لہٰذا اُدھار حرام ہے۔ جہاں تک ایک ہی قسم کے روپوں کو باہم کم یا زیادہ قیمت پر بیچنے کا تعلق ہے تو اس میں اگر ایک طرف کی چاندی کھوٹ پر غالب ہے تو یہ ناجائز ہے؛ کیونکہ مغلوب کا اعتبار نہیں۔ تو گویا وہ خالص چاندی ہی ہے لہٰذا برابری ہی کے ساتھ بیچنا جائز ہوگا، اور اگر پیتل زیادہ ہے یا چاندی اور پیتل دونوں برابر ہیں تو کمی بیشی جائز ہوگی اور اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ ہر روپے کی چاندی کا مقابلہ دوسرے روپے کے پیتل سے کریں گے اور اس میں لین دین کا دست بدست ہونا ضروری ہے؛ کیونکہ دونوں طرف چاندی بھی ہے فقط پیتل نہیں کہ تعیین کافی ہو، اسے "فتاویٰ ذخیرہ" کی کتاب البیوع کی چھٹی فصل میں نقل کیا اور کہا کہ اسی بنا پر مشائخ نے فرمایا کہ "ہمارے زمانے میں جو کھوٹے روپے عدلی کے نام سے رائج ہیں ان میں سے ایک روپے کو دو روپوں سے دست بدست بیچنا جائز ہے"۔

میں کہتا ہوں کہ جب کمی بیشی جائز ہے تو جیسے ایک روپے کو دو روپے کے عوض بیچنا جائز ہے ویسے ہی سو یا ہزار کے عوض بیچنا بھی جائز ہوگا، اب فرض کیجئے......! جس روپے میں دو تہائی پیتل ہے تول میں اس روپے کا پونا ہے جس میں آدھی چاندی ہے تو اس کی دو تہائی اور اس کا آدھا تول میں برابر ہوں گے، اور ان کا ایک روپیہ ان میں کے دس ہزار کو دست بدست بیچا اور یہ بات ضروری ہے کہ جنس (Species) کو خلافِ جنس کے مقابل ٹھہرایا جائے تو چاندی کے دس ہزار روپے پیتل کے ایک روپے کے عوض بکے، تجھے اس سے زیادہ مالیت میں کونسی زیادتی درکار ہے؟ اور یہ محرّرِ مذہب ہیں کہ صاف فرمارہے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں، تو واجب ہوا کہ اس میں اگر کوئی کراہت ہو تو وہ کراہتِ تنزیہی ہی ہو، اور خود صاحبِ مذہب کی تصریح کے بعد کسی کو کلام کی کیا گنجائش ہے! لہٰذا اسی پر جم جاؤ اور بے شک اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔

ہوں، نیز بعض اوقات مطلق کراہت کو ذکر فرما کر اس سے صرف کراہتِ تنزیہی مراد لیتے ہیں اور یہ بات فقہاء کرام کے نفیس کلمات کی خدمت میں زندگی بسر کرنے والے پر ہرگز پوشیدہ نہیں۔ نیز علماء کرام نے متعدد مقامات پر کراہت کے اس معنی کی تصریح فرمائی ہے، "ردالمحتار" میں باب الشہید سے کچھ پہلے فرمایا کہ امام طحطاوی کے علاوہ دیگر علماء نے قبروں پر پاؤں رکھنے اور بیٹھنے کے بارے میں جس کراہت کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد قضاء حاجت کے علاوہ دیگر صورتوں میں کراہتِ تنزیہی (۱) مراد ہے اور زیادہ سے زیادہ یہاں اس کراہتِ مطلقہ سے مراد وہ معنی ہو سکتے ہیں جو کراہتِ تنزیہہ اور تحریمہ دونوں کو شامل ہو، اور اس قسم کی باتیں علماء کے کلام میں بکثرت پائی جاتی ہیں، نیز فقہاء کا مکروہاتِ نماز فرمانا بھی اس باب سے تعلق رکھتا ہے۔ ("رد المحتار"، كتاب الصلاة، قبيل باب الشهيد، مطلب في إهداء ثواب القراء ةإلخ، ج٣، ص١٨٤)

بلکہ "درمختار" کی فصل استنجاء میں مصنف کے اس قول کے نیچے: "عورت کے لئے بچہ کو پیشاب کے لئے قبلہ کی طرف بٹھانا مکروہ ہے" یہ فرمایا کہ یہ کراہت تنزیہہ اور تحریمہ دونوں کو شامل ہے۔ ("الدر المختار"، كتاب الطهارة، قوله: و كذا يكره، ج١، ص٦١)

۱...... یہ وہ حکم ہے جس کی طرف علامہ شامی یہاں مائل ہوئے اور حق یہ ہے کہ قبر پر پاؤں رکھنا یا بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے، جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ "الامر باحترام المقابر" میں اس کی تحقیق کی اور بیشک محقق شامی خود اپنی کتاب کی فصل استنجاء میں اس کے معترف ہوئے کہ فرمایا: "علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ قبروں میں جو نیا راستہ نکلا ہو اس میں چلنا حرام ہے"۔

اورعلامہ شامی-علیہ الرحمۃ-نے مکروہاتِ وضوء میں فرمایا:

"مطلق کراہت سے ہمیشہ تحریمی ہی مراد نہیں ہوتی"۔

("رد المحتار"، كتاب الطهارة، مطلب في الإسراف في الوضوء، ج١، ص٢٨٢)

نیز اس سے پہلے جہاں مصنف نے یہ فرمایا کہ مکروہ محبوب کی ضد ہے اور مکروہ کا لفظ کبھی حرام پر بولا جاتا ہے، کبھی مکروہ تحریمی (Abominable) پر، اور کبھی مکروہ تنزیہی (Unpleasant) پر، پھر مصنف-علیہ الرحمۃ-نے "بحرالرائق" کے حوالے سے نقل کیا کہ اس باب میں **مکروہ دو قسم** کا ہوتا ہے:۔

ایک مکروہ تحریمی: عموماً کراہت مطلقہ سے یہی مراد ہوتا ہے۔ دوسرا مکروہ تنزیہی: اس کے لئے بھی اکثر کراہت کو مطلق ہی ذکر کیا جاتا ہے، جیسا کہ "مُنیہ" کی شرح میں اس کی تصریح موجود ہے، لہٰذا جب فقہاء کسی شیئ کو مکروہ فرمائیں تو اس کی دلیل پر نظر کرنا ضروری ہے، اگر وہ دلیل نہی (Evidence of Prohibition) ظنی (Suspected) ہو تو کراہت تحریمہ کا حکم دیں گے، مگر یہ کہ اس کراہت تحریم کو کوئی اور دلیل کراہتِ تنزیہی کی طرف پھیرنے والی نہ ہو، اور اگر وہ دلیل نہی ظنی نہ ہو بلکہ ترک غیر جازم (ممانعت) کا فائدہ دینے والی ہو تو وہ کراہت تنزیہی ہے۔

("رد المحتار"، كتاب الطهارة، مطلب: في تعريف المكروه وأنه قد يطلق...إلخ، ج١، ص٢٨٠، ٢٨١، ملخصاً)

میں کہتا ہوں کہ متون مثل "تنویر" وغیرہ کے اس قول کہ "غلام کی امامت مکروہ ہے" کا تعلق کراہت کی دوسری قسم یعنی کراہت ِتنزیہی سے ہے ؛ کیونکہ "درمختار" میں اس کے تحت فرمایا: یہ کراہت تنزیہی ہے۔ ("الدر المختار "في شرح "تنوير الأبصار"، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ج۲، ص۳۵۵)

جبکہ علامہ شامی نے "ردالمحتار" میں فرمایا کہ اس کے مکروہ تنزیہی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امام محمد نے" مبسوط "میں فرمایا: "ان کے غیر کی امامت مجھے زیادہ پسند ہے"، یہ بات "بحرالرائق" میں" مجتبیٰ "اور" معراج" کے حوالے سے نقل ہے۔

(" رد المحتار"، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، ج۲، ص۳۵۵،)

یہ سب جان لینے کے بعد لازم ہے کہ دلیل تلاش کی جائے تا کہ واضح ہو کہ وہ دونوں کراہتوں میں سے کونسی کراہت ہے، جیسا کہ دریائے علم نے "بحرالرائق" میں افادہ فرمایا کہ:۔

"ہم نے علماء کرام رحمہم اللہ کو دیکھا وہ اس کراہت پر دو وجہ سے استدلال کرتے ہیں، اوراُن میں سے کوئی بھی کراہت تحریم کا فائدہ نہیں دیتی ان کی نہایت صرف کراہت تنزیہہ ہے"۔ "عنایہ" میں فرمایا کہ:۔

" اس کی کراہت یا تو اس وجہ سے ہے کہ یہ سود کو دفع کرنے کا حیلہ ہے، اس

صورت میں یہ بیع عینہ (Sale on Credit) کی طرح ہو جائیگی؛ کیونکہ حیلہ کر کے زیادہ چیز وصول کی گئی، یا پھر کراہت اس وجہ سے ہے کہ لوگ اس کے عادی ہو جائیں گے، تو پھر ناجائز جگہ بھی اس پر عمل کرنے لگیں گے"۔

("العناية" هامش" فتح القدير"، كتاب الصرف، ج٦، ص ٢٧١، ٢٧٢)

"فتح القدیر" میں "ایضاح" سے دوسری وجہ (یعنی لوگ اس کے عادی ہو جائیں گے اور ناجائز جگہ بھی اس پر عمل کرنے لگیں گے) نقل فرمائی پھر فرمایا:۔

"اسی طرح "محیط" میں ذکر کیا گیا ہے"۔ پھر فرمایا کہ:۔

"بعض علماء مکروہ کہتے ہیں اس لیے کہ انہوں نے سود سے بچنے کا حیلہ کیا" اور بالآخر وجہ اول میں اپنی پوری بات منحصر کر دی جو ابھی گزر چکی ہے۔

(" فتح القدير"، كتاب الصرف، ج٦، ص ٢٧١)

اور صاحب "عنایہ" نے دونوں وجہیں ذکر کر کے اسی وجہ اول میں منحصر کر دیا، جہاں یہ فرمایا کہ کراہت صرف اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے اسے سود کی زیادتی کو ساقط کرنے کا ذریعہ بنایا۔

("العناية " هامش" فتح القدير"، كتاب الصرف، ج٦، ص ٢٧٢)

اور اسی پر " کفایہ" میں انحصار کیا کہ وہ صرف اس لیے مکروہ ہے کہ وہ سود کی زیادتی کو ساقط کرنے کا حیلہ ہے تا کہ حیلہ کے ذریعے زیادتی حاصل کرے چنانچہ بیع عینہ

کی طرح مکروہ ہوا کہ وہ بھی اسی وجہ سے مکروہ ہے۔

("الكفاية" مع" فتح القدير"، كتاب الصرف، ج٦، ص ٢٧١)

اورآپ جانتے ہیں کہ دوسری وجہ کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ خرابی وفساد کے ڈر سے اس چیز کو چھوڑے جس میں خرابی نہ ہوتو یہ مقامِ ورع (تقوٰی کا مقام) ہے اور ورع چھوڑنے سے کراہت تحریمی لازم نہیں آتی اورخود فرمایا کہ وہ اس طرف لے جائے گی کہ اس کے عادی ہوجائیں گے اور ناجائز جگہ بھی اس پر عمل کرنے لگیں گے۔ اس طرح انہوں نے خود تصریح فرمادی کہ جائز جگہ میں اس پر عمل کرنا جائز ہے اور کراہت فقط اس خوف کی وجہ سے ہے کہ لوگ ناجائز جگہ اس پر عمل کرنا نہ شروع کردیں۔

جہاں تک پہلی وجہ کا تعلق ہے تو وہ تو بالکل واضح ہے کہ سود کو ساقط کرنے کا حیلہ،سود سے بھاگنے کا ذریعہ ہےاور وہ منع نہیں، بلکہ ممنوع تو سود میں پڑنا ہے،اور بے شک ہمارے علماءِ کرام۔ رضی اللہ عنہم۔ نے اس کے متعدد حیلے بیان فرمائے ہیں کہ زیادہ چیز لیں مگر سود نہ ہو۔ نیز امام فقیہ النفس قاضی خان نے تو اپنے فتاوٰی میں اس کے لئے ایک مستقل فصل وضع فرمائی اور فرمایا کہ **یہ فصل سود سے بچنے کے حیلوں کے بیان میں ہے۔**

اس میں **پہلا حیلہ** یہ بیان فرمایا کہ اگر کسی کے کسی شخص پر دس روپے قرض

ہوں اور وہ اس قرض کو ایک معینہ مدت تک مؤخر کر کے دس کی جگہ تیرہ روپے وصول کرنا چاہے تو علماء فرماتے ہیں کہ اسے چاہئے کہ وہ مقروض (Debtor) سے کوئی چیز اُن قرضے والے دس روپوں کے عوض خرید کر اس چیز پر قبضہ کرے، پھر یہی چیز اس مقروض کو ایک سال کی مدت کے لئے تیرہ روپے میں بیچ دے، اس طرح یہ حرام سے بچ جائے گا اور اسے تیرہ روپے بھی حاصل ہوجائیں گے، نیز اس طرح کا عمل نبی کریم۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے ایسا کرنے کا حکم دیا(" الفتاوٰی الخانیة "، کتاب البیع، باب في بیع مال الربا، فصل فیما یکون فراراً عن الربا، ج۲، ص۴۰۸)

یہی حیلہ " بحر الرائق" میں بھی "خلاصہ " اور" نوازلِ" امام فقیہ ابو اللیث ۔رحمۃ اللہ علیہ۔ کے حوالے سے موجود ہے۔

دوسرا حیلہ یہ بیان فرمایا کہ ایک شخص نے کسی دوسرے سے کچھ روپے قرض مانگے اس طور پر کہ دینے والے کو سو کے بجائے ایک سو بیس روپے ملیں تو اسکا حیلہ یہ ہوگا کہ قرض لینے والا دینے والے کے سامنے کوئی سامان رکھ کر کہے کہ میں نے تجھے یہ سامان سو روپے کے عوض بیچا قرض دینے والا وہ سامان خرید کر قرض لینے والے کو اس کی قیمت ادا کردے اور سامان پر قبضہ کرے، پھر قرض لینے والا کہے یہ سامان مجھے ایک سو بیس روپے میں بیچ دو، تو قرض دینے والا وہ سامان اسے فروخت کردے تاکہ اسے سو روپے مل جائیں، اور سامان بھی قرض لینے والے کو واپس مل جائے اور قرض دینے

والے کے قرض لینے والے پر ایک سوبیس روپے لازم ہوجائیں، نیز احتیاط اس صورت میں زیادہ ہے کہ معاملہ طے پا جانے کے بعد قرض لینے والا دینے والے سے کہے کہ "ہمارے درمیان جو گفتگو ہوئی اور جو شرائط طے پائیں میں نے انہیں ترک کیا" پھر سامان کی خرید وفروخت کریں۔(" الفتاوٰی الخانیة "، کتاب البیع، باب في بیع مال الربا، فصل فیما یکون فرارا عن الربا، ج۲، ص۴۰۸)

تیسرا حیلہ یہ ارشاد فرمایا کہ اگر وہ سامان بھی قرض دینے والے ہی کا ہو اور وہ دس روپے دے کر ایک معیّنہ مدت پر اس سے تیرہ روپے وصول کرنا چاہے تو قرض دینے والے کو چاہیے کہ وہ کوئی چیز قرض لینے والے کو تیرہ روپے میں بیچ دے اور وہ چیز اس کے قبضہ میں دے دے، پھر قرض لینے والا وہ سامان کسی اجنبی کو دس روپے میں بیچ کر وہ چیز اس اجنبی کے قبضہ میں دیدے اور وہ اجنبی قرض دینے والے کو وہی چیز دس روپے میں بیچ دے اور اس سے دس روپے لے کر قرض لینے والے کو وہ دس روپے ادا کردے، اس طرح اجنبی پر قرض لینے والے کے جو دس روپے ادھار تھے وہ بھی ادا ہو جائیں گے اور وہ چیز بھی دس روپے میں قرض دینے والے کے پاس پہنچ جائے گی اور اس کے تیرہ روپے قرض لینے والے پر ایک معیّنہ مدت تک کے لئے قرض ہوجائیں گے

("الفتاوٰی الخانیة "، کتاب البیع، باب في بیع مال الربا، فصل فیمایکون فراراً عن الربا، ج۲، ص۴۰۸)

چوتھا حیلہ یہ بیان فرمایا کہ قرض دینے والا، لینے والے کے ہاتھ کوئی چیز ایک معیّنہ مدت تک کے لئے تیرہ روپے میں فروخت کرکے وہ چیز اس کے قبضہ میں دیدے اور قرض لینے والا وہ چیز کسی اجنبی کو بیچ دے، پھر قرض لینے والا اس اجنبی سے بیع فسخ (Annul) کردے- خواہ وہ چیز اجنبی کے قبضہ میں دی ہو یا نہیں- اس کے بعد قرض لینے والا دینے والے کو وہی چیز دس روپے میں بیچ کر دس روپے اس سے وصول کرے، اس طرح قرض دینے والے کو تیرہ اور لینے والے کو دس روپے حاصل ہو جائیں گے اور متاع اصل مالک (یعنی قرض دینے والے) کے پاس پہنچ جائے گا، اگرچہ قرض دینے والے نے اپنی بیچی ہوئی چیز کی قیمت وصول ہونے سے پہلے ہی اس سے کم قیمت میں خرید لی مگر یہاں یہ جائز ہے؛ کیونکہ بیچ میں دوسری بیع آ گئی جو قرض لینے والے اور اجنبی کے درمیان ہوئی تھی۔ (" الفتاوی الخانية "، كتاب البيع، باب في بيع مال الربا، فصل فيما يكون فراراً عن الربا، ج٢، ص٤٠٨)

اور اس میں **ایک حیلہ** یہ بیان فرمایا کہ قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی سامان ادھار بیچے اور وہ چیز اس کے قبضہ میں دیدے، پھر قرض لینے والا اس سامان کو کسی دوسرے کے ہاتھ قیمت خرید سے کم قیمت کے عوض بیچ دے، پھر وہ دوسرا شخص اس قرض دینے والے کو وہ سامان اسی قیمت میں بیچے جس میں اس نے خریدی تا کہ وہ متاع اس کو مل جائے اور اس سے قیمت لے کر قرض لینے والے کو دیدے تو

قرض لینے والے کو قرض مل جائے گا اور دینے والے کو نفع حاصل ہو جائے گا۔

میرے خیال میں یہ وہی حیلہ ہے جس کا ذکر گزر چکا امام قاضی خان نے فرمایا کہ اسی حیلہ کا نام **بیع عینہ** (Sale on Credit) ہے جسے امام محمد۔علیہ الرحمۃ۔نے ذکر فرمایا، نیز مشائخ بلخ فرماتے ہیں کہ بیع عینہ ہمارے بازاروں میں رائج آج کل کی بیوع (Sales) سے بہتر ہے، اور امام ابو یوسف۔رحمہ اللہ تعالیٰ۔سے روایت ہے کہ انہوں نے بیع عینہ کو جائز فرمایا ہے اور فرمایا کہ اس پر ثواب ملے گا ثواب کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اس میں حرام یعنی سود سے بھاگنا ہے۔("الفتاوٰی الخانیۃ"، کتاب البیع، باب في بیع مال الربا، فصل فیما یکون فراراً عن الربا، ج۲، ص۴۰۸)

پانچواں حیلہ یہ فرمایا کہ ایک شخص کے پاس دس کھرے چاندی کے روپے (Ten Unmixed Silver Coins) ہیں اور وہ یہ چاہتا ہے کہ ان کو بارہ کھوٹے روپوں کے عوض بیچے تو یہ جائز نہیں؛ کیونکہ یہ سود ہے، پھر اگر وہ حیلہ کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ خریدار سے بارہ کھوٹے روپے بطور قرض لے لے پھر دس کھرے روپے اسے ادا کردے پھر وہ خریدار اسے باقی دو روپے معاف کردے تو یہ حیلہ جائز ہے۔

("الفتاوٰی الخانیۃ"، کتاب البیع، باب في بیع مال الربا، فصل فیما یکون فرارا عن الربا، ج۲، ص۴۰۸)

چھٹا حیلہ یہ بیان فرمایا اگر کسی شخص پر دس کھوٹے روپے ایک معیّن دن تک

کے لئے قرض تھے جب وہ معیّن دن آیا تو قرض دار نو کھرے روپے لایا اور کہا کہ ان دس کھوٹے روپوں کے بدلے یہ نو کھرے روپے لے لو، تو یہ صورت جائز نہیں؛ کیونکہ اس میں سود ہے، تو اگر وہ حیلہ کرنا چاہے تو نو کھوٹے روپوں کے بدلے نو کھرے روپے لے لے اور ایک روپیہ معاف کردے، اس صورت میں قرض دار کو اگر یہ اندیشہ ہو کہ قرض خواہ ایک روپیہ معاف نہیں کرے گا تو قرض خواہ کو نو کھرے روپے ادا کرے اور ایک پیسہ یا کوئی اور چھوٹی سی چیز جس کی کوئی قیمت ہو اس باقی روپے کے عوض دیدے تو اب یہ صورت بھی جائز ہوجائے گی اور وہ اندیشہ بھی جاتا رہے گا۔

("الفتاوی الخانية"، كتاب البيع، باب في بيع مال الربا، فصل فيما يكون فراراً عن الربا، ج٢، ص٤٠٨)

اس عبارت کے فوائد تجھ پر پوشیدہ نہیں رہیں گے؛ کیونکہ آئندہ تقریر میں -ان شاء اللہ- ہم ان کا تذکرہ کریں گے، اور ہمارے لئے تو یہی دلیل کافی ہے کہ علماءِ کرام -رحمہم اللہ- نے وجہِ اول میں اسے بیع عینہ سے تشبیہ دی اور فرمایا کہ وہ بھی اسی وجہ سے مکروہ ہے، نیز بیع عینہ صرف مکروہ تنزیہی ہے، لہٰذا اسی طرح یہ صورت بھی مکروہ تنزیہی ہوگی۔ اور امام محمد کا یہ ارشاد کہ "وہ ان کے نزدیک پہاڑ سے زیادہ گراں ہے" تجھے پریشانی میں نہ ڈالے؛

(فتح القدير، كتاب الصرف، ج٦، ص٢٧١)

کیونکہ انہوں نے اسی طرح کا بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت تر قول بیع عینہ کے بارے میں فرمایا ہے، جبکہ وہ بھی صرف مکروہ تنزیہی (Unpleasant) ہے، " ردالمحتار" میں " طحطاوی" اور اس میں "عالمگیری" اور اس میں " مختار الفتاویٰ" اور اس میں امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ بیع عینہ جائز ہے اور اس کے کرنے والے کو ثواب ملے گا، جبکہ امام محمد نے فرمایا کہ اس بیع کی برائی میرے نزدیک پہاڑوں کے برابر ہے؛ کیونکہ اسے سودخوروں (Usurers) نے ایجاد کیا ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ((جب تم بطور عینہ خرید و فروخت کرو گے اور بیلوں کی دم کے پیچھے چلو گے تو ذلیل ہو جاؤ گے اور تمہارا دشمن تم پر غالب آجائے گا))۔ " فتح القدیر" میں فرمایا کہ بیع عینہ میں کوئی کراہت نہیں، مگر یہ خلاف اَولیٰ ہے کیونکہ اس میں قرض دینے کے اچھے سلوک سے روگردانی ہے۔

("رد المحتار"، كتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع العينة، ج٧، ص٥٧٦)

اسے " بحرالرائق"، " نہرالفائق"، " درمختار" اور " شرنبلالیہ" وغیرہا نے اسی طرح برقرار رکھا، نیز "فتح القدیر" میں ہے کہ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ یہ بیع مکروہ نہیں؛ کیونکہ بہت سے صحابہ کرام۔ رضی اللہ عنہم۔ نے اسے کیا اور اسکی تعریف فرمائی اور اسے سود قرار نہ دیا۔

("فتح القدير"، كتاب الكفالة، قبيل فصل في الضمان، ج٦، ص٣٢٤)

میرے خیال میں امام ابو یوسف کا یہ فرمان کہ بہت سے صحابہ -رضی اللہ تعالیٰ عنہم- نے اسے کیا" اصولِ فقہ کی اصطلاح (Terminology of Principles of Jurisprudence) میں حدیث مرسَل (Transmitted Hadith) ہے؛ کیونکہ ہمارے نزدیک مرسَل ہر اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند متصل نہ ہو، اور اس کی اقسام میں فرق کرنا اور ان کے جدا جدا نام مرسَل و منقطع و مقطوع و معضل رکھنا فقط محدثین کی اصطلاح ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس میں کتنی صورتیں ہوتی ہیں، جبکہ ان تمام صورتوں کا حکم ہمارے نزدیک ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ثِقہ راوی کوئی حدیث مرسَل لائے تو وہ مقبول ہے، جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب "منير العين في حكم تقبيل الإبهامين " میں اس کی تحقیق بیان کی ہے، اور" مسلم الثبوت" وغیرہ میں اس کی تصریح فرمائی ہے، اور تجھے امام ابو یوسف -رحمہ اللہ تعالی- سے بڑھ کر کونسا ثِقہ درکار ہے.....؟ لٰہذا جب اکثر صحابہ کرام -رضی اللہ عنہم- سے اُسے کرنا اور اس کی تعریف فرمانا ثابت ہے تو اس سے روگردانی نہیں کی جاسکتی؛ کیونکہ ہمارے امام اعظم -رضی اللہ تعالی عنہ- کا مذہب صحابۂ کرام -رضی اللہ تعالیٰ عنہم- کی تقلید ہے اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں ان کی پیروی کا حکم دیا ہے، جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ:-

((جب تم بطور عینہ خرید وفروخت کروگے..... الخ))

اسے امام احمد و ابوداؤد و بزّاز و ابو یعلی و بیہقی نے نافع سے، انہوں نے عبد اللہ بن عمر -رضی اللہ تعالیٰ عنہما- سے روایت کیا۔

("سنن أبي داود"، كتاب الإجارة، باب [في] النهي عن العينة، رقم الحديث: ٣٤٦٢، ج٣، ص٣٧٨۔" السنن الكبرىٰ " للبيهقي، كتاب البيوع، باب ما ورد في كراهية ...إلخ، رقم الحديث: ١٠٧٠٣، ج٥، ص٥١٧۔ " المسند " للإمام أحمد بن حنبل، مسند عبد اللّٰه بن عمر بن الخطاب، رقم الحديث: ٥٥٦٤، ج٢، ص٣٨٤)

امام ابن حجر نے فرمایا: اس کی سند ضعیف ہے، اور امام احمد کے یہاں اس کی ایک سند اور ہے جو کہ اس سند سے بہتر ہے۔

(" فيض القدير" شرح" الجامع الصغير"، حرف الهمزة، رقم: ٥١٤، ج١، ص٤٠٣)

اور ابوداؤد کی سند میں عبدالرحمٰن خُراسانی اسحاق بن اسید انصاری ہیں۔

ابن ابی حاتم نے کہا: وہ زیادہ مشہور نہیں، اور ابو حاتم نے کہا: کہ ان سے کام نہ رکھا جائے، اور ذہبی نے کہا وہ ''جائز الحدیث'' ہیں۔

("ميزان الاعتدال"، ترجمة: ٨٨٩، إسحاق بن أسيد ، حرف الألف من اسمه إسحاق، ج١، ص٢٠٩۔"ميزان الاعتدال "، ترجمة: ١٠٨١٢، أبو عبد الرحمن الخراسانى، ج٤، ص٥٠٣)

پھر کنیتوں کے بیان میں انہیں دوبارہ ذکر کیا اور اس حدیث کو ان کی احادیثِ منکرہ میں شمار کیا۔

("ميزان الاعتدال"، ترجمة: ١٠٨١٢، أبو عبد الرحمن الخراسانى، ج٤، ص٥٠٣)

اور " تقریب " میں فرمایا کہ ان میں ضعف ہے۔

("تقريب التهذيب"، حرف الألف، من اسمه إسحاق، ترجمة: ٣٧٠، ج١، ص٤٢)

بالجملہ یہ حدیث درجۂ حسن سے نیچے نہیں ہے، اور بے شک امام سیوطی نے "جامع صغیر" میں اس کے حسن ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے، اور یہ حدیث بہت سی سندوں سے آئی ہے جن کے لئے بیہقی نے اپنی " سنن " میں ایک فصل وضع کی اور ان کی علتیں (Causes) بیان کیں۔

("فيض القدير" شرح " الجامع الصغير "، حرف الهمزة، رقم الحديث: ٥١٤، ج١، ص٤٠٣)

میرے خیال میں "فتح القدیر" کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام محمد- رحمہ اللہ تعالیٰ- نے اس حدیث کو حجت ٹھہرایا ہے، تو اس صورت میں تو یہ حدیث ضرور صحیح ہے؛ کیونکہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال (Reasoning) کرے تو وہ استدلال اُس حدیث کی صحت کا حکم ہوتا ہے، جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے "فتح القدیر" میں اور ان کے علاوہ دیگر فقہاء نے دوسری کتب میں اس قانون کا ذکر فرمایا ہے۔

("رد المحتار"، كتاب البيوع، فصل في ما يدخل في البيع تبعاً، مطلب: المجتهد إذا استدلّ بحديث...إلخ، ج٧، ص٨٣)

بہر حال اس حدیث میں بیع عینہ کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں، کیا اس کے

ساتھ حدیث کے یہ الفاظ نہیں دیکھتے کہ:۔

((جب تم بیلوں کی دُم پکڑو))

("سنن أبي داود"، كتاب الإجارة، باب [في] النهي عن العينة، رقم الحديث: ٣٤٦٢، ج٣، ص٣٧٨)

یعنی کھیتی اور زراعت میں پڑو، جیسا کہ "فتح القدیر" میں اس کی یہ تفسیر فرمائی اور فرمایا: کیونکہ وہ اس وقت جہاد چھوڑ دیں گے اور ان کی طبیعت نامردی کی عادی ہو جائیگی۔

("فتح القدير"، كتاب الكفالة، قبيل فصل في الضمان، ج٦، ص٣٢٤)

بلکہ یہ روایت "ابوداؤد" میں ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے کہ:۔

((جب تم بیلوں کی دُمیں پکڑو اور کاشت کاری میں پڑ جاؤ اور جہاد چھوڑ دو))

("سنن أبي داود"، كتاب الإجارة، باب [في] النهي عن العينة، رقم: ٣٤٦٢، ج٣، ص٣٧٨ ملتقطاً)

اور یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ کھیتی باڑی کرنا منع نہیں، بلکہ جمہور علماء کے نزدیک جہاد کے بعد سب پیشوں سے افضل ہے، اور بعض نے کہا کہ:۔

"جہاد کے بعد تجارت، پھر زراعت، پھر حِرفت افضل ہے"، جیسا کہ "وجیز کردری" میں ہے، اس لئے جب "عنایہ" میں اس حدیث سے بیع عینہ کی مذمت پر دلیل لائے تو علامہ سعدی افندی نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں: اگر یہ دلیل صحیح ہو جائے تو

زراعت بھی مذموم ہوجائے گی۔

("حاشية أفندي" هامش "فتح القدير"، كتاب الكفالة، ج٦، ص٣٢٤)

اور "ہدایہ" و "تبیین" و "درمختار" وغیرہا میں بیع عینہ کے مکروہ ہونے کی فقط یہ دلیل مذکور ہے کہ اس میں قرض دینے کے نیک سلوک سے روگردانی ہے، "ہدایہ" میں اتنا زیادہ فرمایا کہ: "بخل مذموم کی پیروی کرکے نیک سلوک سے روگردانی ہے"۔

("الهداية" في شرح "بداية المبتدي "، كتاب الكفالة، قبيل فصل في الضمان، ج٣، ص٩٤ـ"تبيين الحقائق " في شرح "كنز الدقائق"، كتاب الكفالة، فصل، ج٥، ص٥٤ـ"الدر المختار "في شرح "تنوير الأبصار"، كتاب الكفالة، قوله (كفيله ببيع العينة) ج٧، ص٦٥٥)

اور تجھے معلوم ہے کہ نیک سلوک سے روگردانی کرنا کراہت تحریمی کا سبب نہیں، اسی لئے "فتح القدیر" میں فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں؛ کیونکہ ثمن کا ایک حصہ تو وعدہ کے مقابل ہوگیا اور آدمی پر ہمیشہ قرض دینا واجب نہیں، بلکہ وہ ایک نیک کام ہے۔

("فتح القدير"، كتاب الكفالة، قبيل فصل في الضمان، ج٦، ص٣٢٤)

اور "عنایہ" میں فرمایا کہ قرض دینے سے روگردانی کرنا مکروہ نہیں، اسی طرح سے تجارت میں نفع کی طمع بھی مکروہ نہیں، ورنہ نفع پر خرید وفروخت کرنا بھی مکروہ ہوتا۔

("العناية"، كتاب الكفالة، قبيل فصل في الضمان، ج٦، ص٣٢٣)

میں کہتا ہوں کہ تجارت تو اپنے رب کے فضل کو تلاش کرنے ہی کا نام ہے، اور خریدتے وقت قیمت میں کمی کرانا سنّت ہے۔

نیز بے شک رسول اللہ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ نے فرمایا کہ:۔

((غبن کھانے میں نہ ناموری ہے اور نہ ہی ثواب))

("المعجم الكبير" للطبراني، مسند حسن بن علي، رقم: ۲۷۳۲، ج۳، ص۸۳۔ "تاريخ بغداد أو مدينة السّلام"، أحمد بن طاهر بن عبد الرحمٰن ...إلخ، رقم: ۲۲۱۷، ج٤، ص٤٣٤)

یہ حدیث اصحابِ سُنن نے امام حسین اور طبرانی نے اپنی" معجم "میں امام حسن اور خطیب نے مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہم الکرام سے روایت کی، لہٰذا بیع عینہ زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہوسکتی ہے، اور اس میں انتہائی درجہ صرف کراہت تنزیہی ہے ورنہ صحیح حدیث سے تو یہی بات ثابت ہے کہ صحابہ کرام۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ نے بیع عینہ کی، اور اس بیع کی تعریف بھی فرمائی۔

اور علامہ عبد الحلیم نے جو کہ علامہ شرنبلالی۔ رحمہما اللہ تعالیٰ۔ کے ہم عصر ہیں، انہوں حاشیہ " درر" میں لکھا کہ امام ابو یوسف۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ کی روایت کچھ اس طرح سے ہے کہ " بیع عینہ جائز اور ثواب کا کام ہے؛ کیونکہ اس میں حرام سے بھاگنا ہے اور حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے اور بکثرت صحابۂ کرام۔ رضوان اللہ تعالی

علیہم اجمعین۔ نے اسے کیا اور اس کی تعریف بھی فرمائی"۔

("حاشية الدرر" لعبد الحليم)

ان کی عبارت کے طرزِ کلام سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ "حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے" یہ جملہ بھی امام ابو یوسف۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ ہی کا کلام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور یہ صورت مذکورہ کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی **پہلی دلیل** ہے۔

دوسری دلیل

جمہور علماء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ جب قدر یا جنس میں سے کوئی ایک چیز نہ پائی جائے تو زیادتی حلال ہوتی ہے، اور یہ بات یقیناً ظاہر ہے کہ اشرفی اور چاندی کا روپیہ یا اشرفی اور پیسہ ایک جنس نہیں لہٰذا اس صورت میں زیادتی کا حلال ہونا بالکل جائز ہے، کراہت تحریمی کدھر سے آئے گی.....؟

مقدار میں کمی بیشی کی چار صورتیں ہیں اور جنس مختلف ہو تو چاروں جائز ہیں

تحقیق کے مطابق زیادتی کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) جس چیز کی مالیت زیادہ ہو اسی کی مقدار بھی زیادہ ہو۔

(۲) اس چیز کی مقدار تو کم ہو مگر مالیت اب بھی زیادہ ہو بلکہ کئی گنا زیادہ ہو، جیسے اشرفی کی مالیت روپے کے مقابلے میں۔

(۳) اس چیز کی مقدار اتنی کم ہو کہ اُس کی مالیت بھی اُس کے مقابل چیز سے کم ہو جائے۔

(۴) اس کی مقدار اس حد تک کم ہو کہ دونوں مالیت میں برابر ہو جائیں۔

تو تمام علماء نے فقط جنس مختلف ہونے کی صورت میں کمی بیشی کے جائز ہونے کی تصریح فرمائی ہے اور اس جواز کو کسی خاص صورت کے ساتھ مقید (Limited) نہیں فرمایا، چنانچہ یہ جواز چاروں صورتوں کو شامل ہوگا، اگر وہاں کراہت تحریمی ہوتی تو چاروں صورتوں میں صرف ایک یعنی چوتھی صورت حلال ہوتی، پھر یہاں ایک صورت اور بھی ہے وہ یہ کہ دو جنسیں جب مقدار میں برابر ہوں اور ان کی مالیت بھی برابر ہو تو بھی علماء نے کمی بیشی کے حلال ہونے کا حکم ارشاد فرمایا ہے اور وہ اس صورت میں مالیت کی کمی بیشی کو لازم کرتا ہے، لہٰذا اس بیع عینہ کا حلال ہونا واجب ہوا۔

تیسری دلیل

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:۔

((جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو خرید و فروخت کرو))

(" نصب الراية" لأحاديث" الهداية"، كتاب البيوع، ج٤، ص٧)

تو کون ہے جو اس صورت کو گناہ اور مکروہ تحریمی (Abominable) قرار دے گا.....؟ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی اجازت عطا فرما چکے۔

چوتھی دلیل

وہ عبارت ہے جو ہم "فتاویٰ قاضی خان" کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ روپے کے عوض ایک پیسہ دیدے تو یہ جائز ہے اور اس سے امان حاصل ہو جائے گی تو گناہ کے بعد کونسی امان ہے؟

پانچویں دلیل

مثلاً اشرفی اور چاندی کے روپے یا پیسے اور اشرفی میں کمی بیشی نہیں مگر مالیت کی تو اگر اس سے کراہتِ تحریمی لازم ہوتی اس بنا پر کہ دونوں عاقدَین میں سے ایک نے وہ پایا جو مالیت اور نفع میں زائد ہے تو اُس کو اِس پر زیادتی رہی تو واجب ہوگا کہ کھرے اور کھوٹے کا وزن میں برابر ہونا بھی مکروہ تحریمی (Disagreeable) ہو، جبکہ کھرے کی قیمت کھوٹے سے اتنی زیادہ ہو جس میں لوگ ایک دوسرے سے غبن نہ کھائیں، جیسے کھرے کی مالیت کھوٹے سے دوگنی یا کئی گنا زیادہ ہو؛ کیونکہ کراہت تحریمی کا وہ سبب یہاں بھی یقیناً پایا جا رہا ہے اور کسی شیئ کا حکم اپنے سبب سے جدا نہیں ہوتا؛ کیونکہ شرعِ مطہَّر نے کھوٹے اور کھرے کے وزن میں برابری کا حکم دیا ہے، اسی طرح سے وہ چیز جو صنعت کاری (Desining) کے سبب مالیت میں بڑھ جائے یہاں تک کہ اس کے ہم وزن پتّر یا روپوں سے کئی گنا زیادہ ہو جائے تو اُس میں وزن کی برابری اسی کراہت تحریمی کا سبب ہوگا جو تم نے قرار دی ہے، حالانکہ وزن میں برابر ہونا شرعاً واجب ہے،

لہٰذا اس صورت میں یہ بات سامنے آئے گی کہ شرع نے گناہ کو واجب کیا حالانکہ مکروہ تحریمی ممنوع ہے اور اس کا کرنا" بحر الرائق" و" درمختار" وغیرہما کی تصریح کے مطابق اگرچہ " گناہ صغیرہ" ہے مگر اس کی عادت ڈالنے سے " گناہ کبیرہ" ہوجاتا ہے، اور بے شک شرع گناہ کا حکم دینے اور گناہ کے ارتکاب کو واجب قرار دینے سے بلند و بالا ہے، بخلاف مکروہ تنزیہی کے؛ کیونکہ وہ مباح ہوتا ہے اور قطعاً گناہ نہیں، بلکہ بعض اوقات انبیاءِ کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ قصداً اس کے جواز کو ظاہر کرنے کے لئے اسے کرتے بھی ہیں، اور اِنہی علاّمہ لکھنوی کا قدم " حقہ " کے بارے میں لکھے گئے رسالہ میں پھِسلا تو انہوں نے مکروہ تنزیہی کو" گناہ صغیرہ" اور اس پر اصرار کو" گناہ کبیرہ" ٹھہرادیا، اور یہ بالکل واضح غلطی ہے، اور اس کا عیب میں نے اپنے ایک مستقل رسالہ "جمل مجلية أنّ المكروه تنزيهاً ليس بمعصية" میں تفصیل سے بیان کردیا ہے۔

اور یہ عذر پیش کرنا کہ جنس ایک ہونے کی صورت میں شرع نے مالیت کے اعتبار کو ساقط کردیا ہے انہیں کچھ نفع نہ دے گا؛ کیونکہ یہی تو اصل بحث ہے کہ اگر شرع کی نظر میں مالیت کی زیادتی گناہ کا باعث تھی تو اس کا اعتبار کیوں ساقط فرمادیا، حالانکہ اس میں خود مقصودِ شرع کو باطل کرنا لازم آتا ہے؟ اور مقصود کیا ہے......!؟ یہی نا کہ لوگوں کا مال بچایا جائے، اور مال کا دارومدار مالیت ہی پر ہوتا ہے، لہٰذا مالیت کا اعتبار ساقط کرنے سے سود خوروں کو ان کے مقصودِ فاسد تک پہنچانا لازم آئے گا؛ کیونکہ ان کی غرض تو صرف

مالیت ہی سے متعلق ہے جب انہیں زیادہ مالیت حاصل ہوگئی تو وہ اپنی مراد کو پہنچے، اور وزن کی کمی بیشی سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، لہٰذا ظاہر ہوگیا کہ شرع مالیت میں زیادتی کی طرف اصلاً نظر نہیں فرماتی تو یہ ممکن ہی نہیں کہ شرع مالیت کی زیادتی کو مکروہ تحریمی قرار دے اور یہی تو ہمارا مقصود ہے۔

چھٹی دلیل

تمام متون بالاتفاق اس تصریح سے لبریز ہیں کہ ایک پیسے کو دو پیسوں کے عوض بیچنا جائز ہے، نیز "بحرالرائق" میں فرمایا کہ ان کی مراد خاص یہی نہیں کہ ایک پیسے کو دو پیسوں کے عوض، بلکہ کمی بیشی حلال ہونے کا بیان مقصود ہے، یہاں تک کہ اگر ایک پیسہ سو معین پیسوں کے عوض بھی بیچا جائے تو امام اعظم اور امام ابو یوسف۔رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ کے نزدیک حلال ہے۔("البحر الرائق "، کتاب البیوع، باب الربا، قوله (والفلس بالفلسين بأعيانهما) ج٦، ص٢١٩،)۔

اور تمہیں مالیت میں کمی بیشی کے جائز ہونے پر اس سے بڑی اور کونسی دلیل درکار ہے۔والحمد للہ ۔اور ہاں......!علماء کرام۔ رحمہم اللہ تعالی۔نے تصریح فرمائی ہے کہ کبھی حلال اور مکروہ تنزیہی دونوں جمع ہو جاتے ہیں۔

ساتویں دلیل

مذکورہ بیع عینہ کہ جس کی بنیاد ہی مالیت میں کمی بیشی پر ہے اس میں یہ قید نہیں کہ دس روپوں کے عوض بارہ یا تیرہ روپے وصول کریں، جیسا کہ "فتاویٰ قاضی خان" میں ہے، یا پندرہ روپے، جیسا کہ "فتح القدیر" میں ہے، بلکہ اس بیع میں دو چار گنا چیز وصول کرنے کی صورت بھی بیان کی گئی ہے "فتح القدیر" میں ہے کہ بیع عینہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی شخص، مثلاً زید اپنا مَتاع قرض خواہ بکر کے ہاتھ ایک مدّت معیّنہ تک کے لئے دو ہزار کے عوض بیچے، پھر کسی درمیانی شخص مثلاً عمر کو قرض خواہ بکر کی طرف بھیجے اور وہ اِس قرض خواہ سے اپنے لئے اِس مَتاع کو ایک ہزار روپے نقد کے عوض خرید کر قبضہ کرلے اور یہ درمیانی شخص یعنی عمر پہلے شخص زید کو یہ مَتاع ایک ہزار کے عوض بیچ دے پھر یہ عمر اپنے بائع (قرض خواہ) بکر کا ثمن جو کہ ہزار روپے نقد ہیں (پہلے بائع) زید کے ذمہ پر ڈال دے تو یہ زید (پہلا بائع) ہزار روپے عمر کی طرف سے بکر (قرض خواہ) کو دیدے، اور مدت معیّنہ پوری ہونے پر دو ہزار اس سے وصول کرے۔

("فتح القدير" في شرح" الهداية"، كتاب الكفالة، قبيل فصل في الضمان، ج٦، ص٣٢٤)

تو جب دگنا منافع جائز ہوا تو کئی گنا بھی جائز ہے۔ میرے خیال میں اس درمیانی شخص کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قرض خواہ کو ہزار روپے والی چیز

دو ہزار کے عوض بیچے اور قرض خواہ اسے بازار میں ہزار روپے میں بیچ دے، تا کہ وہ مَتاع قرض دینے والے کی طرف نہ لوٹے؛ کیونکہ بذات خود وہی متاع لوٹنے کی صورت صاحب "فتح القدیر" کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، اگر چہ اس میں کلام کی گنجائش ہے کیونکہ اپنی بیچی ہوئی چیز کو قیمت فروخت سے کم میں خریدنا بالا جماع جائز ہے، جبکہ تیسرا شخص متوسط ہے، اور علماء نے اپنی بیچی ہوئی چیز کو قیمت فروخت سے کم میں خریدنے کی صورت کو گناہ قرار نہیں دیا، امام فقیہ النفس قاضی خان کے حوالے سے یہ بات اوپر گزر چکی ہے، جہاں انہوں نے حرام سے بھاگنے کے حیلے بیان فرمائے ہیں اور اگر گناہ باقی رہے تو حیلہ کہاں پورا ہوا۔ تحقیق علاّمہ عبد الحلیم نے "درر" کے حواشی میں حرام سے بچنے کے حیلوں میں فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ اس میں کراہت تنزیہی ہے، چاہے دیا گیا مَتاع بعینہ دینے والے کی طرف لوٹے، یا اس کا کچھ حصہ لوٹے، یا بالکل نہ لوٹے۔

("حاشية الدرر" لعبد الحليم)

آٹھویں دلیل

وصی اگر یتیم کا مال خود خریدنا یا اپنا مال اس کے ہاتھ بیچنا چاہے تو اس کے جواز کے لئے علماء کرام نے یہ شرط فرمائی ہے کہ اس خرید وفروخت میں یتیم کو نفع ہو، اور اس نفع کی مقدار غیر منقولہ جائیداد میں دوگنا اور منقولہ میں ڈیڑھ گنا مقرر فرمائی ہے، جیسا کہ

"فتاویٰ قاضی خان" اور "فتاوی عالمگیری" میں ہے۔

("الفتاوى الهندية"، كتاب البيوع، الباب السابع عشر في بيع الأب والوصي ...إلخ، ج٣، ص١٧٥، ١٧٦ ملخصاً۔ "الفتاوى الخانية"، كتاب البيوع، فصل في بيع الوصى وشرائه، ج٢، ص٤١٣، ملخصاً)

اور اگر وصی یتیم کا مال کسی دوسرے کو بیچنا چاہے اور نابالغ کو اس کی قیمت کی ضرورت نہ ہو اور نہ مورِث پر کوئی ایسا دین (قرض) ہو کہ اسے بیچے بغیر ادا نہ کیا جا سکے گا، تو اس صورت میں اس بیع کے جائز ہونے کے لیے علماء کرام نے یتیم کے مال کو دگنی قیمت پر بیچنا شرط قرار دیا ہے۔ "ہندیہ" میں "محیط سرخسی" کے حوالے سے نقل ہے کہ اسی پر فتوی ہے۔

("الفتاوى الهندية"، كتاب البيوع، الباب السابع عشر في بيع الأب والوصي، ج٣، ص١٧٦) لہٰذا مالیت کی اس کمی بیشی کا حکم خود شرعِ مطہَّر کی طرف سے ہے۔

نویں دلیل

وہ قول ہے جو "فتح القدیر" وغیرہ قابلِ اعتماد کُتُب کے حوالے سے گزرا کہ "اگر کاغذ کا ایک ٹکڑا ایک ہزار روپے کے عوض بیچے تو یہ خرید و فروخت جائز ہے، اور بالکل مکروہ نہیں ہے"۔

("فتح القدير"، كتاب الكفالة، قبيل فصل في الضمان، ج٦، ص٣٢٤)

دسویں دلیل

"ردالمحتار" کے باب الربا میں "ذخیرہ" کے حوالے سے ہے کہ "اگر کوئی نانبائی کو گیہوں اکٹھے دیدے اور روٹی تھوڑی تھوڑی کر کے لینا چاہے تو مناسب یہ ہے کہ گیہوں والا نانبائی کے ہاتھ انگوٹھی یا چاقو ہزار من گیہوں کی روٹی کے عوض بیچے "اور چاقو یا انگوٹھی نانبائی کے حوالے بھی کردے تو اب نانبائی پر ہزار من گیہوں کی روٹی ذمہ پر لازم ہوگئی اور نانبائی انگوٹھی کو ہزار من گیہوں کے بدلے گیہوں والے کے ہاتھ بیچ دے۔

("رد المحتار"، کتاب البیوع، باب الربا، ج۷، ص۴۳۸)

بھلا کہاں چاقو اور کہاں ہزار من گیہوں کی روٹی.....! اور اس طرح کے بے شمار نظائر ہم بیان کرنا شروع کردیں تو احاطہ نہ کرسکیں گے، اور یہ جو ہم چھٹی دلیل سے دسویں دلیل تک اُتر آئے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جو علماء کرام نے فرمایا تھا کہ "جس جانب وزن کی کمی ہے اس میں کوئی اور چیز ملادی جائے" تو یہ بات ان کے کلام میں مطلق ہے، خواہ وہ چیز ثمن ہو یا مَتاع اور اموال ربا سے ہو یا نہیں، خلاصہ یہ کہ مبیع اور ثمن میں مالیت کی زیادہ سے زیادہ کمی بیشی جائز ہے تو یہ اس مسئلہ کے تحقیق کی انتہاء ہے۔

جہاں تک **فاضل عبدالحلیم** کے کلام کا تعلق ہے تو میں اس کا پہلا جواب یہ دوں گا۔

پہلا جواب

حصولِ احتیاط کے لئے کسی چیز کا وجوب فی نفسہ اس کا وجوب نہیں، اور بے شک

فساد (Incorrectness) کے خوف سے ایسی چیز کو چھوڑنا جس میں خرابی نہ ہو احتیاط ہی ہے اور یہ اسی طرح حاصل ہوگی جیسے انہوں نے فرمایا، لہٰذا یہ وجوب احتیاط کے واجبات سے ہوا؛ کیونکہ کسی شئے کے لیے واجب وہی ہوتا ہے جس کے بغیر وہ شئے حاصل نہ ہوسکے۔

دوسرا جواب

اکثر عُرف میں مستحب کو بھی واجب کہتے ہیں، اور "درمختار" کا یہ قول کہ "نماز عید کے بعد تکبیر کہنے میں کوئی حرج نہیں" بھی اسی قبیل سے ہے؛ کیونکہ یہ طریقہ مسلمانوں میں سلف سے چلا آرہا ہے، لہٰذا اُن کی پیروی واجب ہوئی۔

("الدر المختار" في شرح" تنویر الأبصار"، کتاب الصلاۃ، باب العیدین، ج٣، ص٧٥)

اور علّامہ شامی نے دوسری جگہ اسکی یہ نظیر بیان فرمائی کہ عُرف میں یہ کہتے ہیں کہ " تیرا حق مجھ پر واجب ہے" نیز "فتح القدیر" کی کتاب "ادب القاضی" میں "ہدایہ" کے اس قول: " قاضی جنازہ پر حاضر ہو اور بیمار کی عیادت کو جائے" کے نیچے امام بخاری کی کتاب "ادب المفرد" کی یہ حدیث حضرت ابو ایوب انصاری۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ سے ذکر فرمائی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ((بے شک مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق واجب ہیں اگر ان میں سے کوئی چیز چھوڑے تو اپنے بھائی کا ایک حق چھوڑے گا جو اُس کے لیے اِس پر واجب تھا (ا) وقت

ملاقات اسے سلام کرے (۲) وہ دعوت کرے تو یہ اسے قبول کرے یا وہ اسے پکارے تو اس کا جواب دے (۳) جب اسے چھینک آئے اور وہ " الحمدللہ " کہے تو یہ اس کے جواب میں "یرحمك اللہ " کہے (۴) بیمار پڑے تو اس کی عیادت کو جائے (۵) اس کی موت پر حاضر ہو (۶) اگر وہ اس سے نصیحت چاہے تو اسے نصیحت کرے)) پھر محقق صاحب نے فرمایا کہ اس حدیث میں وجوب کو ایسے معنی پر محمول کیا جائے گا جو وجوب کے فقہی معنی سے عام ہو؛ کیونکہ حدیث کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ ملاقات کی ابتداء میں سلام کرنا واجب ہو، اور نماز جنازہ فرضِ عین ہو، مگر حدیث کی مراد یہ ہے کہ یہ حقوق مسلمان پر ثابت ہیں، خواہ مستحب ہوں یا واجب فقہی۔

("فتح القدیر"، کتاب أدب القاضي، قبیل فصل في الحبس، ج٦، ص٣٧٣ ـ "المعجم الکبیر" للطبراني، مسند أبي أیوب الأنصاري، رقم الحدیث: ٤٠٧٦، ج٤، ص١٨٠)

نیز علاّمہ عبد الحلیم کی عبارت میں وجوب کے یہ معنی (مستحب ہونا) لینا ہمارے قائم کردہ دلائل کے سبب ضروری ہیں اور اگر آپ اسے ظاہر پر ہی محمول مانیں تو سن لیں کہ یہ علاّمہ عبدالحلیم رحمہ اللہ کی اپنی ایک سمجھ ہے جس پر انہوں نے کوئی نقلی سند (Referenced Evidence) پیش نہیں کی اور ان کی فہم شرع میں حجت نہیں، خصوصاً جبکہ ان کے موقف کے خلاف دلائل قائم ہو چکے ہوں۔

تیسرا جواب

اگران کی عبارت کو اس معنی پر محمول نہ کیا جائے تو انکا کلام خود اپنے نفس کا مناقض ہوگا؛ کیونکہ انہوں نے اس کلام کے ایک ورق بعد سلطنت عثمانیہ کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ پرانے چاندی کے روپے جن میں کھوٹ ہو اور چاندی غالب ہو، انہیں نئے کھرے روپوں سے بدلتے ہیں، اور ان نئے روپوں کے چلن کے بعد پرانے روپوں سے لین دین کرنا منع کر دیا جاتا ہے، اور ان پرانے روپوں کا کھوٹا پن اس قدر ہے کہ ایک بڑا رومی روپیہ جسے " قرش" کہتے ہیں، اِن پرانے کے ایک سوبیس روپوں کے برابر ہوتا ہے، اور ایک اشرفی دوسو چالیس روپوں کے برابر ہوتی ہے، جب نئے روپے چل جاتے ہیں تو " قرش" کی قیمت ان نئے روپوں سے اَسّی روپے رہ جاتی ہے اور اشرفی ایک سوبیس کی، تو لوگوں کا وہ لین دین جو پرانے روپوں کے زمانے میں ہوا تھا اُس میں بڑا جھگڑا پڑ جاتا ہے۔ تو علماء محروسہ " قسطنطنیہ " رحمہم اللہ میں سے ہمارے اگلے سرداروں نے یہ فتویٰ دیا کہ تہائی دَین اُتار دیں (یعنی ایک تہائی دین مِنہا کر کے باقی دین ادا کریں) تو ایک سوبیس پرانے روپوں کے قرض کی جگہ مدیون قرض خواہ کو نئے اَسّی روپے یا ایک " قرش" دیدے اور دوسو چالیس پرانے روپوں کے عوض ایک اشرفی یا دو " قرش" ادا کردے، لہٰذا اِسی فتویٰ پر عمل ہوتا رہا۔

یہاں تک کہ ہمارے استاذ مرحوم اسعد بن سعد الدین کے فِتویٰ دینے کا وقت

آیا توانہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ زمانۂ عقد (Contract Time) میں پرانے روپوں کی جو قیمت تھی اُتنی قیمت کی اشرفیاں دی جائیں، مثلاً ہر دوسو چالیس روپے کے بدلے ایک اشرفی دی جائے اور نیا روپیہ یا" قرش" دینا جائز قرار نہ دیا، اور تصریح فرمائی کہ اگلے مسئلہ میں یا توحقیقۃً سود ہے یا اس کا شبہ ہے۔ ("حاشية الدرر" لعبد الحليم)

پھر علاّمہ عبدالحلیم نے کہا کہ علماء کرام۔رحمہم اللہ۔نے پہلے جو فتویٰ دیا وہ بھی صحیح ہے اور اس میں زیادہ آسانی بھی ہے اور ادائے دَین کے دائرے میں وسعت (Capacity) بھی، اور اس کے صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پرانے روپوں کا چلن کسی فرق (Difference) کے بغیر بالکل اشرفی اور قرش کی طرح تھا، لہٰذا ثابت ہوا کہ مدیون پر دَین بھی اسی تفصیل سے ٹھہرے گا، اور دَین کا حاصل یہ ہوگا کہ اتنی مقدار کا مال لازم ہے، خواہ کسی بھی نوع سے ہو، پرانے روپے ہوں یا اشرفی یا پھر قرش، جیسا کہ علماء کرام۔رحمہم اللہ۔نے مختلف سکوں کے چلن میں برابر ہونے کی صورت میں اس حکم کی تصریح فرمائی ہے کہ جب پرانے روپوں کا چلن بند کر دیا گیا اور نئے روپے چلنے لگے اور قرش و اشرفی کی مالیت کم ہوگئی جیسا کہ اوپر بیان ہوئی، تو دَین بھی اتنا ہی اتر جائے گا، اور اس فتوی میں ادائے قرض کے دائرے میں وسعت اور پوری آسانی ہے؛ کیونکہ قرض دار جس نوع (Species) سے ادائیگی قرض پر قدرت رکھے گا اُسی سے قرض ادا کر دے گا، بخلاف دوسرے فتویٰ کے؛ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ قرض دار کے پاس اشرفی

(Gold Coin) نہ ہو، اور نہ اُسے ملتی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قرض اشرفی کی مالیت سے کم ہو، لہٰذا ادائیگیٔ قرض میں دشواری ہوگی، حالانکہ جو ثمن زمانۂ عقد میں رائج تھے وہ پرانے روپے کے علاوہ بدستور رائج ہیں نہ ان کا چلن گھٹا اور نہ ہی بند ہوا، مگر یہ ضرور ہوا کہ نئے روپوں کے سبب ان کی مالیت کم ہوگئی، لہٰذا مدیون (قرضدار) کو کیونکر مجبور کیا جائے گا کہ خاص اشرفی ہی سے اپنا دَین ادا کرے.....؟ لہٰذا ظاہر ہوا کہ پہلا فتویٰ صحیح اور آسان ہے اور اس میں کوئی دشواری نہیں۔ ہاں...... !اگر یہ مان لیا جائے کہ نئے روپے یا قرش سے قرض ادا کرنیکی صورت میں حقیقۃً یا حکماً سود ہے؛ کیونکہ دونوں کا وزن برابر نہیں یا برابری کا علم نہیں۔ تو اس مفروضے کو اس طرح دور کیا جاسکتا ہے کہ نئے روپے یا قرش کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ملا کر دیا جائے تو اب اس قرض کی ادائیگی کا جواز کسی پر پوشیدہ نہیں۔ ("حاشية الدرر" لعبد الحليم)

اور یہ مسئلہ "درمختار" وغیرہ میں مذکور ہے اور صاحب "درمختار" نے سعدی افندی ہی کے فتوی کو اختیار فرمایا کہ قرض دار کو اشرفی ہی سے قرض ادا کرنا واجب ہے، اور علاّمہ شامی علاّمہ عبدالحلیم کی رائے کی طرف مائل ہوئے، اور اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ اول تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ قرض دار کے ذمّے خاص پرانے روپے ہی دینا واجب تھے ،تا کہ نئے روپے یا قرش سے ادا کرنے کی صورت میں سود (Usury) ٹھہرے جبکہ وہ پرانے روپوں سے وزن میں برابر نہ ہوں، بلکہ اتنی مالیت لازم تھی جس کا اندازہ ان تین

قسم کے سکوں میں سے جس سے چاہے کرلے، لہٰذا جب ان میں سے ایک کا چلن جاتا رہا تو باقی دو میں سے جس سے چاہے ادا کردے۔

میں کہتا ہوں کہ یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ ان کا یہ فرمان کہ " تہائی دَین اُتار دیا جائے (یعنی تہائی دین باقی ہی نہ رہے) لغزش ہے"، اورانہوں نے روپوں کی گنتی میں ہونے والے ظاہری تغیر پرنظر فرما کر یہ کہہ دیا کہ:"ایک سوبیس کی جگہ نئے اَسّی روپے ادا کرے گا" ورنہ مالیت میں تو اصلاً تغیر نہیں ہوا تھا، دوسرا یہ کہ اگرقرضدار کے ذمہ خاص پرانے روپے ہی لازم ہونا مان لئے جائیں تو سود اس طرح دور ہوسکتا ہے کہ قرض دار نئے روپوں یا قرش کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ملا کر دیدے، نیز فاضل عبدالحلیم نے لوگوں کو یہی فتویٰ دیا اور اسے پوری آسانی بلا دشواری بتایا، اور کراہت تحریمی کے بعد کونسی آسانی ہے.....!

لہٰذا جو معنی ہم نے بیان کیے ان کے سواء کوئی چارہ نہیں، اور بے شک توفیق تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ بالجملہ یہ شبہات قابلِ ذکر تو نہ تھے مگر چونکہ ان کے جوابات سے چمکتے ہوئے فائدے ظاہر ہوئے اس لئے ذکر کردیئے۔

میں کہتا ہوں الحمدللہ اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ دس کا نوٹ بارہ روپے کے عوض بیچنا تو درکنار ایک اشرفی ایک روپے بلکہ ایک پیسے کے عوض بیچنے میں سود تو سود اس کا شبہ بھی نہیں، بخلاف لکھنؤی صاحب کے گمان کے؛ کیونکہ حرام چیزوں میں شبہ بھی

یقین کے حکم میں ہوتا ہے، جیسا کہ "ہدایہ" وغیرہ میں منصوص ہے، لہٰذا اگر یہاں شبہ ہوتا تو حرمت واجب ہو جاتی، چہ جائیکہ کراہت تحریمی، نیز ہم اس بات پر دلائل قائم کر چکے ہیں کہ یہاں حرمت تو دور کی بات ہے کراہت تحریمی بھی نہیں ہے۔ لہٰذا ظاہر ہوا کہ یہاں نہ سود ہے اور نہ ہی سود کا شبہ۔

لیجئے اور سنیئے ......! منع کرنے والے کی سب سے بڑی دلیل تو یہی ہے کہ نوٹ [1] چاندی کے روپوں میں غرق (Drowned) ہونے کی وجہ سے گویا روپیہ ہی ہے اور اس میں اور چاندی کے روپے میں کچھ فرق نہیں، اسی لئے لوگ چاندی کے روپے اور نوٹ کے لین دین میں کچھ فرق نہیں کرتے، تو دس کے نوٹ کو بارہ روپے کے عوض بیچنے سے گویا یوں ہوا کہ دس روپے بارہ روپوں کے عوض بیچے گئے، اور یہ بے شک سود ہے، لہٰذا اگر دس کا نوٹ بارہ کے عوض بیچنا سود نہ بھی ہو تو سود کی مشابہت کے سبب سود سے لاحق ہو کر حرام ہو جائے گا۔

ا...... بلکہ مولانا لکھنوی صاحب کا یہ گمان ہے کہ جب سو روپے کا نوٹ بیچا جاتا ہے تو اس بیع سے اس کاغذ کی قیمت لینا مقصود نہیں ہوتا بلکہ مقصود سو روپیہ بیچنا اور اس کی قیمت وصول کرنا ہوتا ہے۔

مولانا لکھنوی صاحب پر آٹھواں ردّ: اولاً اگر معاملہ لکھنوی صاحب کے گمان کے مطابق ہوتا تو چاندی کے روپوں کے بدلے نوٹ بیچنا بالکل جائز نہ ہوتا؛ کیونکہ اب یہ معاملہ انگریزی سو روپے کو انگریزی سو روپوں کے عوض بیچنے کی طرح ہو گیا، حالانکہ انگریزی روپوں میں باہم کوئی فرق نہیں ہوتا، لہٰذا یہ سو روپے دے کر وہ سو روپے لینا بالکل بے فائدہ ہے، حالانکہ شرع بے فائدہ چیزوں کو مشروع نہیں فرماتی۔ "اشباہ" میں ہے: "عقد اس وقت صحیح ہوتا ہے جب اس سے کوئی =

= فائدہ بھی حاصل ہو، جس عقد سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو وہ صحیح نہیں ہوتا، لہٰذا جب دونوں روپے وزن اور مالیت میں برابر ہوں تو اس صورت میں ایک روپے کو ایک روپے کے بدلے بیچنا ناجائز ہے، جیسا کہ "ذخیرہ" میں ہے"۔

(الأشباہ و النظائر، الفن الثانی، کتاب البیوع، ص ۱۷۵)

مولانا لکھنوی صاحب پر نواں ردّ: ثانیاً مولوی صاحب ذرا اپنی مسند سے اٹھ کر کسی دن بازار تشریف لے جائیے اور دیکھئے کہ اگر زید نے عَمرو کے ہاتھ کوئی نوٹ بیچا تو اس سے پوچھئے کہ کیا تو نے عَمرو سے یہ کہا تھا کہ میں نے تجھے چاندی سو روپے بیچے؟ وہ فوراً کہے گا کہ نہیں، بلکہ میں نے تو یہ کہا تھا کہ یہ نوٹ تجھے بیچا، پھر اُس سے پوچھئے کہ کیا تو نے لین دین کرتے وقت اپنے سو روپے کو عَمرو کے سو روپوں سے بدلنے (Change) کا قصد کیا تھا؟ وہ فوراً کہے گا کہ نہیں، بلکہ میں نے اپنے نوٹ کو اس کے روپوں سے چینج کرنے کا قصد کیا تھا۔ پھر اس سے پوچھئے کہ کیا تم نے عمرو سے اپنے روپوں کی قیمت وصول کی ہے؟ وہ ابھی جواب دیگا کہ نہیں، بلکہ اپنے نوٹ کی، اب پھر اس سے پوچھئے کیا تم اپنی پوٹلی سے اُسے سو روپے دوگے؟ تو وہ یہی کہے گا کہ نہیں، بلکہ اُسے اپنا نوٹ دونگا، اس وقت آپ کو دن اور رات کا فرق معلوم ہو جائے گا۔

مولانا صاحب پر دسواں ردّ: ثالثاً کاش! آپ کو مبیع اور معدوم میں فرق معلوم ہوتا؛ کیونکہ اکثر نوٹ بیچنے والے کے پاس چاندی کے روپے موجود نہیں ہوتے بلکہ چاندی کا ایک روپیہ بھی نہیں ہوتا، لہٰذا اگر اسے سو روپے بیچنا مقصود ہوتے تو یہ نوٹ بیچتے وقت گویا معدوم کی بیع کر رہا ہے، حالانکہ معدوم کی بیع باطل (Null) ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے منع فرمایا ہے۔

مولانا صاحب پر گیارواں ردّ: رابعاً جسے منی آرڈر کے لئے نوٹ درکار ہو؛ کیونکہ منی آرڈر کے ذریعے نوٹ بھیجنا چاندی کے روپے بھیجنے سے آسان بھی ہے اور سستا بھی، جب زید اس کے ہاتھ نوٹ بیچے اور پھر اگر زید نوٹ کے بجائے چاندی کے سو روپے دینا چاہے تو خریدار ہرگز نہ لے گا اور کہے گا کہ میں نے تو تجھ سے نوٹ خریدا تھا روپے تو خود میرے پاس موجود تھے، مجھے کیا ضرورت ہے کہ تجھ سے چاندی کے روپے خریدوں۔ اس وقت آپ پر آشکار ہوگا کہ نوٹ بیچنے =

= میں اُن کا یہ قصد قرار دینا کہ وہ گویا روپے ہی بیچتے ہیں اُن پر افتراء ہے۔

مولوی صاحب پر بارہواں ردّ : خامساً نوٹ بیچنے والا جب قیمت کے روپے لے کر نوٹ نہ دے بلکہ روپے ہی دے تو یہ اُن کے نزدیک بیع کا فسخ ٹھہرتا ہے نہ یہ کہ اُس نے جو چیز بیچی تھی وہی خریدار کو دے رہا ہے اور یہ سب باتیں ہر اس شخص پر روشن وظاہر ہیں جو دائیں اور بائیں میں فرق کرسکتا ہو تو سبحان اللہ......! وہ سو روپے جو بیچے عجب مبیع ہیں کہ نہ تو اُن پر خرید وفروخت کا لفظ واقع ہوا، نہ ان کے لین دین کا قصد کیا گیا، اور نہ بائع نے وہ دیے، بلکہ بائع روپے دے تو خریدار نہ لے گا اور مبیع کی ادائیگی نہیں ہوگی، بلکہ اکثر چاندی کے روپے بائع کے پاس ہوتے ہی نہیں تو کیا تم نے دنیا میں کسی ایسے مبیع کے بارے میں سنا ہے جو بِک تو گئی ہو مگر اس پر نہ عقد نہ نقد نہ قصد نہ وجود۔ مگر یہ بات ضرور ہے کہ عقل وفہم کی کمی عجیب وغریب چیزیں لاتی ہے ہم اللہ تعالٰی سے معافی وعافیت کا سوال کرتے ہیں۔

مولوی صاحب پر تیرہواں ردّ: یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ مولوی صاحب نے پیسوں اور نوٹ میں جو یہ فرق نکالنا چاہا کہ "اگر وہ چاندی کے ایک روپے کے عوض کوئی چیز خریدے یا کسی سے ایک روپیہ قرض لے اور ادا کرتے وقت ایک روپے کے عوض سو پیسے دیدے تو قرض خواہ اور بائع کو روپے کے عوض پیسے لینے یا نہ لینے کا اختیار ہے اور حاکم کی طرف سے اس پر کوئی جبر نہیں ہوسکتا بخلاف نوٹ کے، اگر وہ روپے کے عوض نوٹ دینا چاہے تو بائع کو کوئی اختیار نہیں" یہ فرق بالکل باطل ہے۔ نیز انہوں نے یہ دعویٰ کہاں سے کیا اور اس کا قائل کون ہے عنقریب چند سطر بعد اس باب میں جو حق ہے اس کا بیان آئے گا اور بے شک اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق سے یہ کہتا ہوں کہ یہ شبہ تو اور بھی بھونڈا ہے.....! مگراس میں تعجب کی کوئی بات نہیں؛ کیونکہ کمان ہی انجان کے ہاتھ میں ہے، ہر وہ شخص جو بچپن کی دہلیز پار کر چکا ہو، جانتا ہے کہ اصطلاحی ثمن کی مالیت کی مقدار کا اندازہ ثمن خلقی (Real Money) ہی سے کیا جاتا ہے، بلکہ ہر قسم کی نقدی کے لئے چاندی کے روپوں ہی سے اندازہ کیا جاتا ہے، خواہ وہ اشرفیاں ہوں یا اور کچھ، اور انہیں روپوں سے کچھ نہ کچھ نسبت ضرور ہوگی، تو ایک ساوَرِن (Sovereign) یعنی انگلستانی سکّہ (پونڈ)، پندرہ روپے کی، اور دو آنے روپے کا آٹھواں حصہ، اور چوَنّی روپے کا چوتھائی، اور اٹھنی روپے کا آدھا، نیز ایک روپے میں سولہ آنے ہوتے ہیں اور فلاں نوٹ دس روپے کا، تو فلاں سو روپے کا، اِسی پر قیاس (Analogy) کرتے جائیں، اور جب ان کا چلن اور مالیت یکساں ہو تو اہلِ عُرف معاملات میں اُن کے لین دین میں کوئی فرق نہیں کرتے، لہٰذا جو کوئی کپڑا ایک انگریزی پونڈ کے بدلے خریدے اور دے پندرہ روپے یا اس کا عکس تو نہ اسے کوئی تبدیلی کہے گا، اور نہ ہی قرارداد کا پھیرنا، نہ اس سے بائع انکار کرے گا، اور نہ ہی کوئی اور، اسی طرح سے دو آنے اور آٹھ انگریزی پیسے، اِن کے لین دین میں بھی کوئی فرق نہیں کرتا یوہیں ایک چوَنّی اور سولہ پیسے، اور جس نے کوئی چیز اٹھنی کی خریدی وہ یا تو خود اٹھنی دے یا دو چونیاں یا چار دوانیاں یا ایک چونی اور دو دوانیاں یا ایک چونی اور ایک دوانّی اور آٹھ پیسے یا تین دوانیاں اور آٹھ پیسے یا ایک چونی

اورسولہ پیسے یا ایک دوانّی اور چوبیس پیسے یا سب کے بتیس پیسے، یہ نو کی نوصورتیں [1]

سب اُن کے نزدیک برابر ہیں۔

اور مالیت اور چلن کے یکساں ہونے کی وجہ سے اس میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا، اور یہ صرف عُرف ہی میں نہیں بلکہ شریعت نے بھی خریدار کو اس بات کا اختیار دیا ہے کہ ان میں سے جس صورت سے چاہے ثمن ادا کرے، اور اگر بائع ان میں سے کسی ایک صورت پر راضی نہ ہو اور دوسری صورت مشتری پر لازم کرنا چاہے تو یہ اس کی بے جا ہٹ دھرمی ہوگی، جو نا قابلِ تسلیم ہے" تنویر الابصار" کے اس قول:" مطلق ثمن سے شہر میں سب سے زیادہ چلنے والا سکّہ مراد ہوتا ہے اور اگر وہ سکّے مالیت میں مختلف ہوں اور چلن ایک سا ہو تو عقد فاسد ہو جائے گا"

(" تنوير الأبصار" مع"الدر المختار"، كتاب البيوع، ج۷، ص۵۶،۵۷)

اس کے تحت علامہ شامی نے فرمایا:" لیکن اگر چلن برابر نہ ہو مالیت چاہے مختلف ہو یا نہیں تو عقد (Contract) صحیح ہے، اور جس کا چلن زیادہ ہے وہی مراد ٹھہرے گا، اسی طرح اگر مالیت اور چلن دونوں برابر ہوں تو پھر بھی عقد صحیح ہے، مگر اس صورت میں خریدار کو اختیار ہوگا کہ دونوں قسم کے ثمن (Currency) میں سے جس سے چاہے ادا

۱......ایک نئی ریزگاری چلی ہے جسے اکنّی کہتے ہیں، لہٰذا اٹھنی کے دام چھتیس طریقوں سے ادا ہو سکتے ہیں اور سب برابر ہیں، جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔

کرے"۔ نیز"ہدایہ"میں چلن اور مالیت یکساں ہونے کی مثال ثُنائی اور ثُلاثی سے دی اور"ہدایہ"کے شارحین نے اس پر اعتراض کیا کہ تین کی مالیت دو سے زیادہ ہے۔
تو"بحرالرائق"میں اس کا جواب دیا گیا کہ ثُنائی سے مراد وہ ہے جس کے دو سکّے ایک روپے کے برابر ہوں اور ثُلاثی سے مراد جس کے تین سکّے ایک روپے کے برابر ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ جب اس نے کوئی چیز ایک روپے کے بدلے خریدی تو چاہے ایک روپیہ پورا ادا کرے، چاہے دو اٹھنیاں، چاہے تین تہائیاں جبکہ سب مالیت اور چلن میں برابر ہوں۔اسی طرح ہمارے زمانے میں اشرفی کی مالیت کا ثمن تین طرح سے ادا کیا جاسکتا ہے : (۱) پوری اشرفی۔(۲) دونصف اشرفیاں۔ (۳) اشرفی کی چار پاؤلیاں یعنی چار چوتھائیاں ۔ نیز ان سب کی مالیت اور چلن بھی برابر ہے۔اس تقریر سے ہمارے زمانے میں قرش کے عوض خرید وفروخت کے رواج کا حکم واضح ہوگیا؛ کیونکہ قرش اصل میں چاندی کا ایک سکّہ ہے جس کی قیمت چالیس مصری قطعے ہوتی ہے، اسے مصر میں نصف کہتے ہیں ، وہاں ہر قسم کے سکّوں کی قیمت قرشوں ہی سے لگائی جاتی ہے، لہٰذا کوئی سکّہ دس قرش کا، کوئی کم اور کوئی اس سے زیادہ کا ہوتا ہے، لہٰذا جب کوئی چیز سو قرش کے عوض خریدی جائے تو مشتری کو اختیار رہے کہ وہ جو سکّہ چاہے دے، خواہ قرش ہی دے یا دوسرے سکّے جن کی مالیت سو قرشوں کے برابر ہو ادا کردے، جیسے ریال یا اشرفی وغیرہما، اور کوئی بھی یہ نہیں سمجھتا کہ بیع خاص ان سکّوں پر

واقع ہوئی جنہیں قرش کہتے ہیں، بلکہ قرش یا دوسرے سکّے جو مالیت میں مختلف ہوں اور چلن میں برابر ہوں ان میں سے اتنے سکّے ادا کردیئے جائیں کہ سو قرشوں کی مالیت کے برابر ہوجائے کافی ہے، نیز یہاں یہ اعتراض ہرگز وارد نہیں ہوگا کہ مالیت میں اختلاف اور چلن میں برابری ہی تو فسادِ عقد کا سبب ہے؛ کیونکہ یہاں قرشوں سے اندازہ کرنے کی صورت میں ثمن کی مالیت میں اختلاف واقع نہ ہوا ہاں البتہ......! اگر قرشوں سے اندازہ نہ کرتے تو اختلاف واقع ہوتا ہے، جیسے کہ اگر کسی جگہ کئی قسم کی اشرفیاں ہوں جو چلن میں یکساں اور مالیت میں مختلف ہوں اور کوئی شخص سو اشرفیوں کے عوض خرید و فروخت کرے تو اس صورت میں مالیت میں اختلاف واقع ہوسکتا ہے، مگر جب قرشوں سے مالیت کا اندازہ کرلیا تو گویا مالیت اور چلن سب یکساں ہوگئے، اور اوپر گزر چکا ہے کہ مشتری کو اختیار ہے کہ ان میں سے جس کے ذریعے چاہے ثمن ادا کرے۔ "بحر الرائق" میں فرمایا کہ اگر بائع ان میں سے کوئی خاص قسم کا سکّہ طلب کرے تو مشتری کو اختیار ہے کہ دوسری قسم کا سکّہ ادا کرے؛ کیونکہ مالیت میں اختلاف نہ ہونے کی وجہ سے مشتری کے ادا کردہ سکّے کو لینے سے انکار بائع کی بے جا ہٹ دھرمی ہے۔

("رد المحتار"، كتاب البيوع، مطلب: يعتبر الثمن في مكان العقد وزمنه، ج۷، ص۵۷، ۵۸، ملتقطاً)

اور یہ سب ظاہراور روشن باتیں ہیں اوراس سے بڑھ کر برابری اور عدم فرق کی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے......! کہ خریداری تو قرشوں سے کی جائے اور پھر خریدار کواختیار دیا جائے کہ چاہےتو ادائیگی قرشوں سے کرے یا ریال سے، خواہ پوری اشرفی ادا کرے یا اس کی ریز گاری، اوراگر بائع نہ مانے تو یہ اس کی بے جاہٹ ٹھہرے، اس کے باوجود کوئی عقلمند یہ وہم نہیں کرسکتا کہ قرش، ریال، اشرفی اورریز گاری سب کے سب ہم جنس ہیں اوران کی آپس میں بیع کی صورت میں کمی بیشی ناجائز ہو، یا ان میں سے ہرایک سکّہ دوسرے میں اس طرح غرق ہے کہ بعینہ دونوں ایک ہی ہیں، لہٰذا اگر کمی بیشی سود نہ بھی ہوتو سود سے مشابہت کے سبب سود کے حکم میں ہوکر حرام ہوجائے گی، حالانکہ تمام علماء کرام نے بالاجماع تصریح فرمائی ہے کہ جنس کے مختلف ہونے کی صورت میں کمی بیشی جائز ہے، بلکہ خود سرکار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان اقدس ہے:۔

((کہ جب جنسیں بدل جائیں تو جیسے چاہو بیچو))۔

("نصب الرایة" لأحادیث" الهدایة"، کتاب البیوع، ج ٤، ص٧)

نیز ہم اس مسئلہ کی تحقیق کہ "ایک روپے کوایک اشرفی کےعوض بیچنے میں نہ سود ہے نہ سود کا شبہ" اس انداز میں بیان کر چکے جس پر مزید زیادتی کی گنجائش نہیں۔ لہٰذا جب قرشوں، ریال، اشرفی اورریز گاری میں یہ حکم ہے حالانکہ یہ سب ثمن خلقی ہیں اور

ان سب میں سود کی دو علتوں میں سے ایک علت یعنی وزن موجود ہے تو پھر روپوں کے عوض نوٹ کی خرید وفروخت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، حالانکہ نوٹ تو صرف ثمن اصطلاحی ہے، اوراس کی مالیت کا اندازہ ایک ایسی اصطلاح سے کیا گیا ہے جس کی پابندی بائع ومشتری پر لازم نہیں، اوراس میں رِبا کی دونوں علتوں میں سے کوئی بھی نہیں پائی جاتی، نہ جنس، نہ ہی قدر، لہٰذا یہاں ناجائز ہونے کا حکم تین قسم کے لوگ ہی لگا سکتے ہیں جن پر سے قلمِ شرع اٹھالیا گیا ہے۔(۱) بچہ (۲) سونے والا اور (۳) دیوانہ، ہم اللہ تعالیٰ سے معافی اور پناہ مانگتے ہیں، اس مسئلہ میں یہی تحقیقِ جواب ہے اور امید کرتا ہوں کہ دولہا کے بعد عطر نہیں۔ لیکن اے شخص......! اگر تم اپنی اس بات کے علاوہ اور کوئی بات تسلیم نہ کرو کہ "نوٹ روپوں میں ایسا غرق ہے کہ گویا وہ بعینہ روپیہ ہے" تو اب میں تم سے یہ پوچھنا چاہوں گا[1] کہ نوٹ کے روپوں میں غرق ہونے اور فرق نہ ہونے کے سبب آیا نوٹ حقیقۃً چاندی کا روپیہ ہوگیا یا حکماً......؟ حکماً سے مراد یہ ہے کہ شرع نے روپوں سے نوٹ کی بیع میں وہی حکم جاری فرمایا جو روپوں کو روپوں کے عوض بیچنے میں ہے ،جیسا کہ تم نے کہا تھا کہ گویا دس روپے ہیں، جنہیں بارہ روپوں کے عوض بیچا گیا ہے۔ یا پھر نوٹ حقیقۃً وحکماً کسی طرح بھی روپوں کے حکم میں نہیں، اس تیسری صورت میں تمہاری گزشتہ لفّاظی کیا بے منشا و بے معنی ہے......؟ اور پہلی دوصورتوں میں جب تم دس کا

۱......مولانا لکھنوی صاحب پر چودھواں ردّ۔

نوٹ دس کے عوض بیچو گے تو سود خود تم پر پلٹے گا؛ کیونکہ روپوں کی روپوں سے بیع کی صورت میں دونوں کی مالیت کا برابر ہونے کا حکم نہیں بلکہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس مسئلہ میں کھرا اور کھوٹا دونوں برابر ہیں صرف وزن میں برابری کا حکم ہے۔

لہٰذا تم پر واجب ہے کہ تم ایک پلڑے میں نوٹ اور دوسرے میں روپے کی ریزگاری یا اور کوئی چاندی رکھو، بس اُتنے ہی نوٹ بیچو جتنی چاندی وزن میں نوٹ کے برابر ہو اور یہ چاندی دوانی یا چوّنی بھر سے زائد نہ ہوگی، اور اگر تم اس سے زیادہ لوگے تو گویا تم نے سود کھایا اور سود کو حلال کیا، اور اگر تم یہ گمان کرو[۱] کہ اس غرق ہونے اور فرق نہ ہونے کے سبب روپوں سے جو حکم نوٹ کی طرف آیا وہ یہ ہے کہ مبیع وثمن کو مالیت میں برابر کرلیا جائے، تو یہ تمہاری بڑی نادانی ہے جو مسخرے پن کی طرح ہے، اور ضعف کی وجہ سے لچک لچک ہو رہا ہے؛ کیونکہ مالیت میں برابر کرنا خود روپوں کا حکم نہیں تھا، لہٰذا جو حکم خود روپوں میں نہیں تو اُن کے مشابہ نوٹ میں وہ حکم کیونکر سرایت کرے گا.....!

اس کے علاوہ اگر نوٹ روپوں کے ساتھ حقیقۃً یا حکماً متحد ہو بھی جائے تو پھر بھی سونے کے ساتھ ہرگز متحد نہ ہوگا؛ کیونکہ دو متبائن نوعین متحد (دو مختلف اور متضاد چیزیں ایک جگہ جمع) نہیں ہوسکتیں، لہٰذا اس صورت میں اگر دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفیوں کے عوض بیچا جائے تو وہ حرج جو بارہ روپے کے عوض بیچنے میں تھا لازم نہیں

۱......مولانا لکھنوی صاحب پر پندرھواں ردّ۔

آئے گا؛ کیونکہ یہاں نہ حقیقۃً ایک جنس ہے نہ حکماً، لہٰذا اب تیرے فتویٰ کا انجام یہ ہوگا کہ دس کا نوٹ بارہ روپے کے عوض بیچنا تو حرام ہے؛ کیونکہ اس نے بِلا معاوضہ ایک زیادتی یعنی دو روپے زائد وصول کئے، اور اگر یہی نوٹ بارہ سونے کی اشرفیوں کے عوض بیچا جائے تو کوئی حرج نہیں؛ کیونکہ اس نے کوئی قابلِ اعتبار زیادتی وصول نہیں کی۔

تو سبحان اللہ اس فتویٰ کے کیا کہنے.....! اس کی نظر کس قدر دقیق ہے.....! سود کو حرام کرنے میں شرع شریف کا جو مقصود تھا، یعنی لوگوں کے مال کو محفوظ رکھنا اس فتویٰ نے اس مقصد کی کس قدر رعایت کی.....!

ولا حول ولا قوة إلّا باللّٰه العلي العظيم.

خلاصہ یہ کہ اس منع کرنے والے کا کلام نہ ہی کسی اصل کی طرف لوٹتا ہے، نہ ہی دلیل کی جانب، بلکہ یہ ان کا خودساختہ فہم ہے اور وہی اس کے قائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر کوئی دلیل نہیں اتاری اور بے شک تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی پر بھروسا ہے اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

سوال ۱۲ : کیا یہ صورت جائز ہے کہ زید عَمر و سے قرض لینا چاہے تو عَمر و کہے کہ چاندی کے روپے تو میرے پاس نہیں، البتہ دس کا نوٹ چاندی کے بارہ روپے کے عوض تجھے ایک سال تک کے لئے قسطوں پر بیچتا ہوں، اس شرط پر کہ تم ہر مہینہ مجھے ایک روپیہ بطور قسط ادا کروگے؟ یا یہ صورت سود کا حیلہ ہونے کی وجہ سے منع ہے؟ اور اگر یہ

جائز ہے تو اس میں اور سود میں کیا فرق ہے؟ حالانکہ دونوں سے مقصود (Intended) زائد مال کا حصول ہے مگر یہ حلال اور سود حرام۔

الجواب

اگر دونوں حقیقۃً بیع ہی کی نیت سے لین دین کریں اور قرض کی نیت نہ کریں تو یہ صورت جائز ہے، نیز اس صورت میں کمی بیشی اور مدت معیّنہ (Term) تک اُدھار بھی جائز ہے، جیسا کہ ہم ان باتوں کی تحقیق بیان کر چکے ہیں، اور قسطوں پر دینا بھی ایک قسم کی مدت معیّن کرنا ہی ہے۔ ہاں......! اگر عَمرو دس کا نوٹ بطور قرض دے اور یہ شرط ٹھہرا لے کہ چاندی کے بارہ یا گیارہ یا دس روپے سے کچھ زائد رقم ابھی یا کچھ مدّت بعد قسط وار، یا بلا قسط واپس کرے گا تو یہ ضرور حرام اور سود ہے، اس لئے کہ یہ ایک ایسا قرض ہے جس سے نفع حاصل کیا جا رہا ہے، اور بے شک ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((کہ جو قرض نفع کھینچ کر لائے وہ سود ہے))

("كنز العُمّال"، كتاب الدين والسلم من قسم الأقوال، فصل في لواحق كتاب الدين، رقم الحديث: ١٥٥١٢، ج٦، ص٩٩)

اس حدیث کو حارث بن ابو اسامہ نے امیر المومنین حضرت علی۔ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم۔ سے روایت کیا ہے۔

قرض ادا کرتے وقت اپنی طرف سے زائد دینے کا بیان

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ قرض دیا اور کچھ زیادہ لینا شرط نہ کیا اور نہ ہی لین دین سے زیادہ لینا معروف تھا؛ کیونکہ جو چیز معروف ہو وہ مشروط کی طرح ہوتی ہے پھر قرض لینے والے نے قرض ادا کر کے اپنی طرف سے بطور احسان کچھ زائد دیا جو قرض کے علاوہ ممتاز ہو (یہ اس لیے کہ قابلِ تقسیم میں ھبہ مشاع نہ ہو جائے)، تو یہ جائز ہے، اس میں کچھ حرج نہیں، بلکہ اس قبیل سے ہے کہ:۔

﴿هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾

(پ۲۷، الرّحمٰن: ٦٠)

ترجمۂ کنز الایمان: "احسان کا بدلہ کیا ہے سوائے احسان کے"۔

اور بے شک یہ بات سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پاجامہ خرید فرمایا۔ اور وہاں قیمت تول کر دی جاتی تھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تولنے والے سے فرمایا کہ:۔

((تول اور کچھ زیادہ دے))

("سنن الترمذي"، كتاب البيوع، باب ما جاء في الرُّجحان، رقم الحديث: ١٣٠٩، ج٣، ص٥٢۔ "سنن النسائي"، كتاب البيوع، باب الرجحان في الوزن، ج٧، ص٢٨٤)

اسی طرح سے اگر کسی کو دس کا نوٹ قرض دیا تھا بعد میں قرض خواہ نے اس سے قرض کا تقاضا کیا قرضدار نے کہا کہ میرے پاس اس قسم کا نوٹ نہیں ہے اور میں تمہیں نوٹ کے بدلے روپے دوں گا، پھر دس کے نوٹ کے بدلے بارہ روپوں پر صلح ہوگئی اور اسی مجلس میں بارہ روپے ادا کردیئے (تا کہ عاقدین دَین کے بدلے دَین بیچ کر جدا نہ ہوں) تو یہ بھی جائز ہے۔

پھر اگر وہ نوٹ جو اُس نے لیا تھا اُس کے پاس نہ رہا یعنی اس سے خرچ ہوگیا جب تو اس کے جائز ہونے پر تمام ائمہ متفق ہیں، اور اگر نوٹ قرضدار کے پاس موجود ہے مگر قرضدار نے خاص اسی نوٹ کو روپوں سے نہ خریدا تھا بلکہ جو نوٹ قرضدار کے ذمہ قرض تھا اُسے خریدا، تو یہ امام اعظم اور امام محمد۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ کے نزدیک جائز ہے۔

ہاں......! اگر جو نوٹ قرض لیا تھا موجود ہے اور بعینہ اسی نوٹ کو بارہ روپوں یا دس یا جتنے میں چاہے خرید لے تو یہ بیع طرفین یعنی امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک باطل، اور امام ابو یوسف۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ کے نزدیک جائز ہے۔

باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب قرضدار نے یہ نوٹ قرض لیا تو قرض لیتے ہی اس نوٹ کا مالک ہوگیا، تو خود اپنی مملوک چیز کو دوسرے سے کیونکر خرید سکتا ہے......!

"وجیز کردری" میں ہے جب زید کا کسی پر غلہ یا پیسے قرض ہوں، قرض دار نے زید سے وہ

قرض روپوں کے بدلے میں خریدلیااور دونوں پر قبضہ کرنے سے پہلے دونوں جدا ہوگئے تو یہ بیع باطل ہوگئی۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کا یاد رکھنا بہت ضروری ہے۔

("الفتاوی البزازیة" ھامش "الفتاوی الھندیة"، کتاب الصرف، ج٥، ص٦)

"ردالمحتار" میں "ذخیرہ" کے حوالے سے لکھا ہے کہ قرض دینے والے کا جو غلہ قرضدار پر آتا تھا وہ غلہ قرضدار نے قرض خواہ سے سو اشرفیوں کے بدلے خریدلیا تو جائز ہے؛ کیونکہ یہ قرض اس قرضدار پر نہ عقد صَرف [۱] سے تھا نہ عقد سَلم [۲] سے، پھر اگر وہ غلہ خریداری کے وقت خرچ ہو چکا تھا پھر تو سب کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے؛ کیونکہ خرچ کرنے سے بالاتفاق غلہ کا مالک ہوگیا تھا، اور یہ غلہ اس قرضدار کے ذمہ بطور قرض واجب رہا، اور اگر غلہ موجود ہے تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک اب بھی جائز ہے، اور امام ابو یوسف کے نزدیک ناجائز؛ کیونکہ ان کے نزدیک جب تک قرضدار غلہ خرچ نہ کرلے اس کا مالک نہ ہوگا اور نہ ہی اس غلہ کی مثل (Similar) دینا اس پر واجب ہوگا اب جو یہ کہا کہ وہ غلہ جو میرے ذمہ ہے میں نے اسے خریدا تو معدوم چیز کو خریدا لہٰذا یہ صورت ناجائز ہوئی۔("رد المحتار"، کتاب البیوع، باب المرابحة، فصل

۱...... کیونکہ وہ (علامہ قاری الھدایہ) تو اسے بیع سَلم (V.alivrer) مان رہے ہیں اور تم (علامہ شامی) اسے بیعِ صرف کہہ رہے ہو۔۱۲ منہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲......اس لئے کہ ثمن میں بیع سَلم اصلاً جائز نہیں، چاہے اس چیز میں ہو جس میں دونوں طرف کا قبضہ شرط ہے جیسے ثمن کے عوض ثمن کی بیع سَلم یا ایسا نہ ہو جیسے ثمن کے عوض مبیع کی بیع سَلم۔

في القرض، مطلب: في شراء المستقرض...إلخ، ج۷، ص ٤١١)

نیز "ردالمحتار" میں "ذخیرہ" کے حوالے سے ہے کہ زید نے کسی سے ایک پیمانہ(Measure) مثال کے طور پر ۱۰ کلو گندم قرض لے کراس پر قبضہ کرلیا، پھر بعینہ وہی گندم قرض دینے والے سے خریدی تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک یہ ناجائز ہے؛ کیونکہ زید تو قبضہ کرتے ہی گندم کا مالک ہوگیا،تو پھر اپنی مِلک کسی اور سے کیسے خرید سکتا ہے.....؟ ہاں......! امام ابو یوسف کے نزدیک وہ گندم ابھی تک قرض دینے والے کی ملک پر باقی ہے،تو یہ ایسے ہوگیا کہ پرائی مِلک اس سے خریدی لہذا یہ جائز وصحیح ہے۔

("رد المحتار"، كتاب البيوع، باب المرابحة، فصل في القرض، مطلب في شراء المستقرض...إلخ، ج۷، ص ٤١١)

سود سے بچنے کی ترکیبیں

جہاں تک سود سے بچنے کے لئے حیلہ کرنے(Stratagem) کا تعلق ہے تو اس کے بیان میں ہم نے تمہیں بہت کچھ بتادیا وہی کفایت کرے گا، اور امام ابو یوسف -رحمۃ اللہ علیہ- کا قول بھی گزرا کہ " بیع عینہ جائز ہے اور اس کا کرنے والا ثواب پائے گا؛ کیونکہ یہ حرام سے بچنا چاہتا ہے"۔

("الفتاوى الخانية"، كتاب البيوع، باب في بيع مال الرّبا، فصل فيما يكون فراراً عن الرّبا، ج۲، ص٤٠٨)

اوران کا یہ قول بھی گزر چکا کہ صحابہ کرام۔ علیہم الرضوان ۔نے بھی بیع عینہ کی اوراس کی تعریف بھی فرمائی۔

("فتح القدير"، كتاب الكفالة، قبيل في الضمان، ج٦، ص٣٢٤، ملخّصا)

اور" فتاویٰ قاضی خان" کا قول گزرا کہ اس کے مثل عمل کرنا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے کرنے کا حکم دیا تو اب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام۔ رضی اللہ عنہم اجمعین ۔ کی اجازت کے بعد اسے منع کرنے والا کون ہے۔("فتاوٰی قاضي خان "، كتاب البيوع، باب في بيع مال الرّبا، فصل فيما يكون فراراً عن الرّبا، ج٢، ص٤٠٨)

اور" بحر الرائق" میں "قنیہ" کے حوالے سے مذکور ہے کہ خرید وفروخت کی وہ اقسام جنہیں لوگ سود سے بچنے کے لئے کرتے ہیں ان میں کوئی حرج نہیں، پھر ایک عالم صاحب کا قول لکھا کہ وہ انہیں مکروہ کہتے ہیں، امام بقالی بیع کی ان اقسام کے مکروہ ہونے کو امام محمد سے روایت کرتے ہیں، اور امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک ان میں کچھ حرج نہیں۔ امام شمس الائمہ زرنجری فرماتے ہیں کہ امام محمد کا اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ قرض دے کر پھر اس قسم کی بیع کریں، اور اگر بیع ہوگئی پھر روپے دیئے تو اس میں بالاتفاق کوئی حرج نہیں۔("البحر الرائق"، كتاب البيوع، باب الربا، قوله (فضل مال بلا عوض في معاوضة) ج٦، ص٢١١)

اسی طرح امام شیخ الاسلام خواہر زادہ نے قرض میں بیع کی شرط نہ ہونے کی صورت میں ان اقسام کے جائز ہونے پر اتفاق نقل فرمایا ہے، لہٰذا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکی تعلیم، صحابہ کرام سے اسے کرنا اور اس کی تعریف ثابت، اور ہمارے ائمہ کرام کا اس کے جواز پر اجماع قائم ہے تو اب شک کی کونسی جگہ باقی رہی۔

-واللہ الھادي إلی الصواب۔

"اور اللہ ہی ٹھیک راستہ دکھانے والا ہے"۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بھی اسی صورت میں ہے کہ بیع اور قرض دونوں اس طرح سے جمع ہوں کہ زید عَمر و کو کچھ روپے قرض دے اور تھوڑی سی چیز اسے زیادہ قیمت میں بیچے، تو قرضدار قرض کی ضرورت کی بنا پر اسے خریدے گا، تو اس صورت میں اگر قرض پہلے ہے تو بعض علماء کے نزدیک یہ بیع مکروہ ہے؛ کیونکہ یہ ایسا قرض ہے جو نفع کھینچ کر لا رہا ہے، اور اگر بیع پہلے ہو چکی تھی اور قرض بعد میں دیا تو بالاتفاق اس میں کوئی حرج نہیں؛ کیونکہ وہ ایک ایسی بیع ہے جو قرض کا نفع لائی، جیسا کہ امام شمس الائمہ حلوانی نے اس کا فائدہ (Benefit) بیان فرمایا اور اسی پر فتویٰ دیا، جیسا کہ "ردالمحتار" میں مذکور ہے۔("ردالمحتار، کتاب البیوع، فصل فی القرض، مطلب: کل قرض جر نفعاً حرام، ج۷، ص ٤١٥)

اور وہ مسئلہ جو ہمارا موضوع بحث ہے یعنی نوٹ، یہ تو خالص بیع ہے اس میں قرض اصلاً نہیں، نہ لین دین سے پہلے اور نہ ہی بعد میں لہٰذا اس کا بالاتفاق بلا خلاف و بلا نزاع جائز ہونا ہی زیادہ لائق اور مناسب ہے۔

اس قسم کے حیلے کا قرآن و حدیث سے ثبوت

اگر تم حیلہ کے مسئلہ میں مزید وضاحت کے طلب گار ہو تو سنو......! ہمارا رب۔عزوجل۔اپنے بندہ ایوب۔علیہ السلام۔سے فرماتا ہے:۔

﴿خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثاً فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ﴾ (پ ۲۳، صٓ: ٤٤)

ترجمۂ کنزالایمان:" اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر اس سے مار اور قسم نہ توڑ"۔

اور ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سود سے بچنے کا حیلہ اور ایسا طریقہ بیان فرمایا ہے کہ مقصود بھی حاصل ہو جائے اور حرام سے بھی محافظت رہے۔ "بخاری" و" مسلم "نے حضرت ابوسعید خدری۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: حضرت بلال۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بَرنی کھجوریں لے کر حاضر ہوئے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:۔

((تم نے یہ کہاں سے لیں......؟))

حضرت سیدنا بلال۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔نے عرض کی:۔

حضور ہمارے پاس خراب چھوہارے تھے ہم نے دو صاع (۱) خراب

۱......ایک صاع 4 کلو میں سے 160 گرام کم اور نصف یعنی آدھا صاع 2 کلو میں سے 80 گرام کم کا ہوتا ہے۔

چھوہاروں کے بدلے ایک صاع بَرنی کھجوریں خریدیں۔

نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

((اُف یہ تو خالص سود ہے، خالص سود ہے ایسا نہ کرو......! مگر جب تم ان کھجوروں کو خریدنا چاہو تو پہلے اپنے چھوہاروں کو کسی اور چیز سے بیچ لو اور پھر اُس چیز کے بدلے ان کجھوروں کو خریدلو))۔

("صحیح البخاری"، کتاب الوکالة، باب إذا باع الوكيل شيئًا فاسدًا...إلخ، رقم الحديث: ٢٣١٢، ج٢، ص٨٣۔ "صحیح مسلم"، كتاب المساقات، باب بيع الطعام مثلاً بمثل، رقم الحديث: ١٥٩٤، ص٨٦٠)

نیز "بخاری" و "مسلم" نے حضرت ابوسعید خدری اور ابوھریرہ۔ رضی اللہ عنہما۔ دونوں سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر پر گورنر بنا کر بھیجا، وہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جَنِیب کجھوریں یعنی اعلیٰ قسم کی کجھوریں لے کر حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:۔

((کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی ہیں؟))

عرض کی: نہیں۔

خدا کی قسم......! یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم اس قسم کی کھجوروں کا ایک صاع دو صاع کے بدلے میں، دو صاع تین صاع کے بدلے میں خریدتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

((ایسا نہ کرو......! اپنی کھجوریں روپوں کے بدلے میں بیچ کر روپوں سے یہ جَنِیب کھجوریں خرید لیا کرو))۔

("صحيح البخاري"، كتاب البيوع، باب إذا أراد بيع تمر بتمر خير منه، رقم الحديث: ٢٢٠١، ٢٢٠٢، ج٢، ص٤٤۔ "صحيح مسلم"، كتاب المساقات، باب بيع الطعام مثلاً بمثل، رقم الحديث: ١٥٩٣، ص٨٥٩)

میں کہتا ہوں کہ جن لوگوں نے بیع کی اس صورت کو مکروہ کہا جیسے امام محمد تو اس کی وجہ یہ ہے، جیسا کہ "فتح القدیر"، "ایضاح" اور "محیط" کے حوالوں سے گزرا کہ لوگ اس کی طرف راغب ہو کر کسی ناجائز کام میں نہ پڑ جائیں اور ہمارے زمانے میں معاملہ الٹا ہو گیا ہے، اور ہندوستان میں سود کا علانیہ لین دین ہونے لگا ہے، لوگ اس سے بالکل نہیں شرماتے، گویا یہ ان کے نزدیک نہ کوئی عیب ہے اور نہ ہی عار کی بات، لہٰذا وہ عالم دین جو ان لوگوں کو سود جیسی بلائے عظیم اور سخت کبیرہ گناہ سے بچا کر سود سے بچاؤ کے جائز حیلوں کی طرف لے آئے، جیسے دس کا نوٹ قسط بندی کر کے بارہ کو بیچنا اور اس کے سوا اور حیلے جو امام فقیہ النفس قاضی خان سے گزرے تو کچھ شک و شبہ نہیں کہ وہ مسلمانوں کا خیر خواہ ہے، اور دین ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے ہی کا نام ہے، لوگ اگرچہ گناہ علانیہ کر رہے ہیں مگر اسلام ابھی باقی ہے۔ و للّٰہ الحمد۔

لہٰذا جب مسلمان ایسی بات سنیں گے کہ ان کا مقصد بھی حاصل ہو جائے اور وہ حرام فعل کے ارتکاب سے بھی بچے رہیں تو کیا وجہ ہے کہ توبہ نہ کریں اور شریعت واسلام کی بات پر عمل نہ کریں، کیونکہ انہیں شریعت واسلام سے کوئی عداوت نہیں اور بیشک مشائخِ بلخ مثلاً امام محمد بن سلمہ وغیرہ نے تاجروں سے کہا کہ "بیع عینہ جس کا ذکر حدیث پاک میں ہے تمہاری ان بیعوں سے بہتر ہے"۔

محقق علی الاطلاق فرماتے ہیں: "یہ ٹھیک بات ہے اس لیے کہ بلاشبہ بیع فاسد غصب وحرام کے حکم میں ہے، تو کہاں وہ اور کہاں بیع عینہ کہ بیع عینہ تو صحیح ہے اور اس کے مکروہ ہونے میں بھی اختلاف ہے"۔

("فتح القدير"، كتاب الكفالة، قبيل فصل في الضمان، ج٦، ص٣٢٤)

باقی رہا گمان کرنے والے کا یہ گمان کہ اگر بیع کی یہ صورت منع نہیں تو اس میں اور سود میں کیا فرق ہے حالانکہ زیادتی دونوں میں حاصل ہوتی ہے......؟

تو میں اس کا جواب یوں دوں گا کہ یہ وہ اعتراض ہے جو کفار نے کیا تھا تو خود اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ نے اس کا جواب قرآن پاک میں دیا:۔

{قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾

(پ ٣،البقرة: ٢٧٥)

ترجمۂ کنز الایمان: "انہوں (کافروں) نے کہا بیع بھی تو سود ہی کے مانند

ہے اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود کو "۔

کیا معترض نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے نفع وہیں حلال کیا ہے جہاں دو مختلف جنسوں کی خرید وفروخت ہو، اور اگر یہ صورت بھی حرام ہو جائے تو خرید وفروخت کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔

۔لاحول ولا قوة إلا باللّٰه العلي العظيم ۔

وہاب جل جلالہ کی توفیق سے جواب مکمل ہوا۔

۔والحمدللّٰه أَوّلًا وآخراً وباطناً وظاهراً۔

اور میں نے اس کا نام "كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم" رکھا، تا کہ نام سنِ تصنیف ۱۳۲۴ھ پر دلالت کرے۔

بہرحال بندۂ ضعیف نے یہ " رسالہ " ہفتہ کے دن لکھنا شروع کیا تھا پھر اتوار کے دن دوبارہ بخار ہو گیا لہٰذا پیر کے دن ۲۳ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ دوپہر کو یہ " رسالہ " تمام کر دیا۔

اور یہ تصنیف اللہ تعالی کے حرمت وعظمت والے شہر مکہ معظّمہ میں ہوئی، ان کی خواہش سے جو فاضل کامل، پاکیزہ ،مصلائے حنفی کے امام ہیں، مولانا شیخ عبد اللہ ۔رحمه الله تعالى۔ اُن کے صاحبزادے جو خطیبوں کے شیخ اور عظمت والے اماموں کے سردار ہیں یعنی عالمِ باعمل، فاضلِ کامل، زاہد، متوَرِّع، متقی، پاکیزہ، مجمعِ فضائل ومنبعِ

فواضل حضرت شیخ احمد ابوالخیر۔رحمه الله تعالی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہر نقصان سے ان دونوں بزرگوں کو محفوظ رکھے اور ہر بھلائی سے انہیں حصہ عطا فرمائے اور ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے اور ہمارے عیبوں کو چھپائے اور ہمارے بوجھ ہلکے کرے اور ہماری آرزوئیں پوری فرمائے اور ہمیں بار بار اپنے عزت والے گھر کعبۂ پاک اور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے مزارِ مقدس کی طرف اپنے قبول اور رضا کے ساتھ لوٹنا نصیب فرمائے، اور آخر میں ایمان وعافیت کے ساتھ مدینہ منورہ میں مرنا اور بقیع پاک میں دفن ہونا اور بلند و بالا مرتبہ والے شفیع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔آمین......!

اللّٰهم صلى الله تعالى عليه وسلم وعلى آله وصحبه وبارك وكرم

آمين......!

والحمدلله رب العالمين

كـــــــــــــــــــــــــــــتبه

عبده المذنب أحمد رضا البريلوي عفي عنه بمحمد المصطفىٰ النبي الأمي

صلى الله تعالىٰ عليه وسلم

محمدی سنی حنفی قادری ۱۳۰۱ھ

عبد المصطفیٰ احمد رضا خان

حامئ سنت، ماحئ بدعت جناب مولانا مولوی شاہ محمد ارشاد حسین صاحب رام پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فتویٰ

سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آجکل جونوٹ رائج ہیں ان کی مالیت سے کم یا زیادہ قیمت پر ان کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ھو الملھم للصواب

ترجمہ: "بے شک اللہ عزوجل ہی درستی کا الہام فرماتا ہے"

مذکورہ نوٹ کی کم یا زیادہ قیمت پر خرید وفروخت جائز ہے؛ کیونکہ گورنمنٹ نے اسے مال قرار دیا ہے اور جس چیز کو قوم کی اصطلاح (Terminology) میں مال قرار دیدیا جائے چاہے اصل میں (Originally) اس کی ثمنیت اور مالیت ثابت نہ ہو لیکن قوم کے اسے ثمن (Currency) قرار دینے سے اس میں ثمنیت اور مالیت ثابت ہوجاتی ہے، نیز اسے اس کی مالیت سے کم یا زیادہ قیمت پر بیچنا بھی جائز ہے۔ "ہدایہ" میں ہے کہ امام اعظم اور امام ابو یوسف۔ رضی اللہ عنہما۔ کے نزدیک ایک پیسے کو دو معیّن پیسوں کے عوض بیچنا جائز ہے، جبکہ امام محمد فرماتے ہیں کہ جائز نہیں؛ کیونکہ کسی چیز کی ثمنیت تمام لوگوں کے اسے ثمن (Currency) قرار دینے سے ثابت ہوتی ہے، لہٰذا یہ اصطلاح (Terminology) فقط بائع ومشتری کی اصطلاح سے باطل نہ ہوگی، اور

شیخین یہ دلیل پیش فرماتے ہیں کہ بائع ومشتری کے حق میں کسی چیز کا ثمن ہونا فقط انہی کی اصطلاح سے ثابت ہوتا ہے؛ کیونکہ ان دونوں پر کسی غیر کو کوئی ولایت (Guardian Ship) حاصل نہیں، لہٰذا ان دونوں کی اصطلاح سے اس چیز کی ثمنیت باطل ہوجائے گی، اور جب ثمنیت باطل ہوگی تو تعین کرنے سے وہ چیز معیّن بھی ہوجائے گی۔

("الهداية" في شرح" بداية المبتدي"، كتاب البيوع، باب الرّبا، ج٣، ص٦٣)

لہٰذا جب نوٹ میں۔ جو کہ اصل میں کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے۔ ثمنیت ثابت ہوگئی تو کم وزیادہ قیمت پر اس کی خرید وفروخت بھی جائز ہے۔

"ردالمحتار" کے باب العینہ میں ہے:"یہاں تک کہ اگر کوئی کاغذ کا ایک ٹکڑا ایک ہزار کے عوض بیچے تو یہ بلا کراہت جائز ہے"۔

("رد المحتار"، كتاب الكفالة، مطلب: في بيع العينة، ج٧، ص٦٥٥)

واللّٰہ أعلم وعلمه أتم

العبد المجیب محمد ریاست علی عفی عنہ

تصدیقات	علماء کرام
1......! الجواب صواب	محمد ارشاد حسین احمدی
2......!الجواب صواب	محمد حسن
3......!الجواب ھو الجواب	محمد نظر علی
4......!الجواب صحیح	محمد اعجاز حسین
5......!البتہ بیع وشراء مذکور جائز ہے فقط	العبد محمد عبد القادر عفی عنہ

6......!بلاشبہ اصطلاح میں قرار دیا جاتا ہے اور بیع وشراء مذکور جائز ہے فقط

العبد ابو القاسم محمد مزمل عفی عنہ

7......!الجواب صواب	محمد عبد الجلیل بن محمد عبد الحق خان
8......!الجواب صحیح	حامد حسین عفی عنہ

9......!حکم کرنا مجیب کا نسبت صحت بیع مذکور کے صحیح اور درست ہے

العبد محمد عنایت اللہ عفی عنہ